قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۱ شمارہ: ۸
شعبان المعظم: ۱۴۳۹ھ - مئی: ۲۰۱۸ء
قیمت فی شمارہ: ۳۵ روپے، زرِ سالانہ: ۴۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800 پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-101900 برانچ کوڈ: 0816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ، کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر
بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 Ext. 146 - 147
فیکس: +92-21-34919531
Web: www.banuri.edu.pk *Email*: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر مطبع: ایجوکیشنل پریس طابع: فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

کشمیر، افغانستان اور شام میں تازہ بربریت!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ	۱۱	محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
حضرت علامہ بنوریؒ کے شاگردِ خاص مولانا مولیٰ بخش صاحب		
ایک باہمت اور درویش صفت مہتمم!	۱۵	مولانا عبدالرؤف غزنوی
مکاتیب علامہ کوثریؒ... بنام... علامہ بنوریؒ (قسط:۱۴)	۲۴	ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
اسلامی بینک کاری اور حضرت بنوریؒ		
مذاہبِ متبوعہ سے استفادے کی تفصیل!	۲۹	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' اور اُن کا حکم (قسط:۸)	۳۸	مولانا انعام اللہ

یادِ رفتگان

جامعہ کے دو علماء کی رحلت!	۵۱	محمد اعجاز مصطفیٰ
حضرت مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ صاحب کو صدمہ	۵۴	ادارہ
آہ میرے دوست! (مولانا الطاف الرحمنؒ)	۵۵	مفتی عبدالستار

دار الافتاء

تجدیدِ بیعت کی اہمیت و مدت!	۵۸	ادارہ

نقد و نظر

	۶۱	ادارہ

کشمیر، افغانستان اور شام میں تازہ بربریت!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

اللہ تبارک وتعالیٰ کا مسلمانوں پر بہت بڑا فضل اور انعام ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا ہمدرد، غم خوار، مونس اور شفیق ہادی و راہنما عطا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انسان کو پیدائش سے موت تک پیش آنے والے تمام حالات، واقعات اور معاملات کھول کھول کر بتا دیئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’ترکتُ فیکم أمرین لن تضلوا ماتمسکتم بھما: کتاب اللّٰہ وسنة رسولہٖ۔‘‘ (مشکوٰۃ،ص:۳۲)

’’میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے: ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور دوسری چیز اللہ تعالیٰ کے رسول کی سنت ہے۔‘‘

یعنی مسلمان جب تک قرآن کریم کے احکامات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا رہیں گے تو صحیح راستے پر رہیں گے اور اگر اُنہوں نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو سیدھے راستے سے بھٹک جائیں گے۔

آج کی دنیا اور آج کے حالات میں ہم مسلمان بحیثیت حکمران ہوں یا بحیثیت قوم اور فرد، ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں! کیا ہم سیدھے راستے کو چھوڑے ہوئے نہیں ہیں؟! کیا ہمیں اپنوں اور غیروں میں، اہلِ حق اور اہلِ باطل میں فرق نظر آ رہا ہے؟! اور یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ کہیں ہم صحیح اور غلط میں امتیاز کی صلاحیت اور استعداد سے محروم تو نہیں ہوگئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ارشاد ہے:

۱: -’’تـری المؤمنین فی تراحُمِهم وتوادِّهم وتعاطُفِهم کمثل الجسد إذا اشتکٰی عضوا تداعٰی لهٗ سائر الجسد بالسهر والحمٰی ۔‘‘ (متفق علیہ،مشکوۃ:۴۲۲)

’’تم مومنوں کو آپس میں رحم دلی، محبت اور شفقت میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے، جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم میں بے چینی اور بخار محسوس ہوتا ہے ۔‘‘

۲: -’’المـؤمـنـون کـرجل واحد إن اشتکٰی عینُهٗ اشتکٰی کلُّهٗ وإن اشتکٰی رأسُهٗ اشتکٰی کلُّهٗ ۔‘‘ (رواہ مسلم، بحوالہ مشکوۃ:۴۲۲)

’’تمام مومن ایک شخص کی طرح ہیں، اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے اور اگر اس کے سر میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کا سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے ۔‘‘

۳: -’’المؤمن للمؤمن کالبنیان یشدّ بعضُهٗ بعضًا ...۔‘‘ (متفق علیہ، بحوالہ مشکوۃ:۴۲۲)

’’ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی مضبوطی کا باعث ہوتا ہے ۔‘‘

علومِ قرآن اور علومِ وحی کے طلبہ کے لیے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضائل بتلائے ہیں، وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علمِ دین کے طلبہ کے لیے خیر کی وصیت بھی فرمائی ہے، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا:

۱:-’’عـن أبـی سـعید الخدری رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسـلـم: إن الـنـاس لـکـم تبع وإن رجالًا یأتونکم من أقطار الأرض لیتفقهون فی الدین ، فإذا أتوکم فاستوصوا بهم خیرا ۔‘‘ (رواہ الترمذی، بحوالہ مشکوۃ:۳۴)

’’حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ تمہارے پیچھے آئیں گے اور کچھ لوگ تمہارے پاس دین کی سمجھ حاصل کرنے کے لیے زمین کے اطراف سے آئیں گے، تو تم ان کے متعلق بھلائی کا معاملہ کرنا ۔‘‘

۲: -’’عـن کثیر بن قیس قال : کنتُ جالسًا مع أبی الدرداءؓ فی مسجد دمشق، فجاءهٗ رجل، فقال: یاأبا الدرداء! إنی جئتک من مدینة الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم لحدیث بـلـغـنی أنک تحدثهٗ عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ، ماجئتُ لحاجةٍ. قال: فإنی سـمـعـتُ رسـولَ الـلّٰـه صـلی اللّٰه علیه وسلم یقول: من سلک طریقًا یطلب فیه علمًا سـلـک الـلّٰـه بـهٖ طریقًا من طرق الجنة وأن الملائکة لتضع أجنحتَها رضًا لطالب العلم وأن الـعـالـم یستغفر لهٗ من فی السمٰوٰت ومن فی الأرض والحیتان فی جوف الماء وأن فـضـلَ العالم علی العابد کفضل القمر لیلةَ البدر علٰی سائر الکواکب وأن العلماء ورثة

الأنبیاء وأن الأنبیاء لم یورّثوا دینارًا ولا درهمًا وإنما وَرَّثُوا العلمَ فمن أخذہٗ أخذ بحظّ وافر۔‘‘ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی، بحوالہ مشکوٰۃ، ص:۳۴)

’’کثیر بن قیسؒ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ: میں دمشق کی مسجد میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا تھا، ایک شخص آیا، اور کہا: اے ابودرداء! میں آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے ایک حدیث (سننے) کے لیے آیا ہوں، جس کے بارے میں مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کرتے ہیں۔ میں کسی اور کام کے لیے نہیں آیا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: جو شخص کسی راستے پر علم حاصل کرنے کے لیے چلا، تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلا دیتے ہیں اور فرشتے طالب علم کی خوشی کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں اور عالم کے لیے آسمان وزمین کی مخلوقات اور مچھلیاں پانی میں دعا کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عبادت گزار پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت باقی ستاروں پر۔ اور علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے، وہ علم کا وارث بناتے ہیں، پس جس نے اسے (علم) حاصل کرلیا تو اس نے بڑا حصہ حاصل کرلیا۔‘‘

۳:- **’’من یرد اللّٰہُ بہٖ خیرا یفقهه فی الدین وإنما أنا قاسم واللّٰہ یعطی۔‘‘** (متفق علیہ، مشکوٰۃ:۳۲)

’’اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، اُسے دین میں سمجھ بوجھ عطا فرمادیتے ہیں اور میں تو صرف (علومِ خیر) تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے۔‘‘

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’إذا مات العالم انثلم فی الإسلام ثلمة لایسدها إلا خلف مثلہٗ۔‘‘ (کنز العمال)

’’جب عالم فوت ہوجاتا ہے تو اسلام میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں، ایسی دراڑیں کہ ان کو اس جیسا بعد میں آنے والا عالم ہی بند کرسکتا ہے۔‘‘

کیا آج کے حالات میں ہم اپنے مسلمان بھائیوں پر ظلم وستم اور ان کے کرب ودرد کو اپنا کرب اور درد محسوس کررہے ہیں؟! کیا کفار کے مقابلہ میں ہم ان کے لیے کسی بھی اعتبار سے مضبوطی، ڈھال اور سہارے کا کام دے رہے ہیں؟! اگر نہیں تو کیوں؟! آخر کیا وجہ ہے کہ فلسطین کے مسلمان اپنی زمین اور اپنے ملک میں ’’یوم ارض فلسطین‘‘ منانے کے لیے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو ان پر اسرائیل وحشیانہ بمباری کرکے درجنوں مسلمانوں کو شہید اور سینکڑوں کو زخمی اور معذور کردیتا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں انڈین وحشی فورسز نہتے دو درجن سے زائد کشمیری نوجوانوں پر آگ وبارود برسا کر ان کو موت کے گھاٹ اُتار دیتی ہے۔ بشار الاسد کی بھیڑیا صفت فوج نے شام کے مسلمانوں پر کیمیائی اور مہلک اسلحہ کا استعمال

کرکے ایک سو سے زائد بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو ابدی نیند سلا دیا۔ اُدھر افغانستان میں امریکی کٹھ پتلی حکومت اور فورسز نے صوبہ قندوز کے ایک مدرسہ ''جامعہ ہاشمیہ عمریہ'' کی تکمیلِ حفظِ قرآن کی تقریب پر فضائی حملہ کردیا، جس کے نتیجے میں ڈیڑھ سو سے زائد معصوم طلبہ اور ان کے لواحقین شہید اور تین سو سے زائد انسان زخمی ہوگئے۔ ان معصوم طلبہ کے ہاتھوں میں قرآن، سر پر دستاریں، گلے میں پھولوں کے ہار اور اُن کو ملنے والے تحائف بھی ان کی لاشوں اور جسم کے ٹکڑوں کے ساتھ پائے گئے۔

اس خون ریزی اور ظلم وستم پر بطورِ احتجاج دوسرے اسلامی حکمرانوں کے علاوہ نہ ہمارے صدر صاحب نے کوئی بیان جاری کیا اور نہ ہی ہمارے وزیراعظم صاحب نے کوئی احتجاج کیا۔ نہ ہی ہماری مقتدر قوتوں نے کوئی پیغام دیا اور نہ ہی ہمارے میڈیا نے اس اندوہناک واقعہ پر کوئی خبر چلائی۔ آخر کیوں؟ صرف اس لیے کہ مرنے والے قرآن کریم کے حافظ وقاری اور ایک دینی مدرسہ کے طالب علم تھے، ان کے سروں پر پگڑیاں تھیں اور ان کا تعلق دینِ اسلام سے تھا؟!

میرا خیال یہ ہے کہ اگر اس خونی واقعہ اور اس ظلم وبربریت پر مسلم حکمرانوں کو کوئی احساس نہیں یا اس پر کوئی ندامت، ملال یا دلی طور پر کوئی تکلیف نہیں ہوئی تو ایسے لوگوں کو ذرا اپنے گریبانوں میں بھی جھانک لینا چاہیے کہ آیا ان کے دل میں ایمان بھی رہا ہے کہ نہیں؟!

ان واقعات میں حکمرانوں کے طرزِ عمل سے یہ بات بدیہی طور پر عیاں ہوچکی ہے کہ اسلامی ممالک کے حکمران، مسلم عوام کی نمائندگی کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ یہ صرف اپنی اپنی حکومتیں اور بادشاہتیں بچانے کے چکر میں کفار واغیار کے اشارۂ ابرو کے منتظر رہتے ہیں، یا یہ اپنے اپنے ممالک کی عوام کے نمائندہ نہیں، بلکہ غیروں نے ان کو مسلمانوں پر مسلط کیا ہے اور یہ سب کے سب اپنے اُنہیں آقاؤں کے اشاروں پر چلتے ہیں، اسی وجہ سے ہر جگہ مسلمانوں کا قتلِ عام اور انہیں موت کے گھاٹ اُتارا جارہا ہے۔ ان کی اس خاموش پالیسی سے تو یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے کسی نے کہاوت کہی ہے کہ: ایک بار ایک شکاری جنگل سے ایک تیتر پکڑ کر لاتا ہے اور اسے اپنے گھر میں ایک الگ پنجرے میں رکھتا ہے اور خوب کاجو، کشمش اور بادام کھلاتا ہے، جب تیتر بڑا ہوجاتا ہے تو اسے پنجرے کے ساتھ ہی لے کر جنگل کی طرف جاتا ہے، وہاں جال بچھاتا ہے اور تیتر کو وہیں پنجرے میں رکھ کر خود جھاڑی کے پیچھے چھپ جاتا ہے اور تیتر سے بولتا ہے کہ: ''بول بیٹا بول'' تیتر اپنے مالک کی آواز سن کر زور زور سے چلاتا ہے۔ اس کی آواز سن کر جنگل کے سارے تیتر یہ سوچ کر کہ یہ اپنی قوم کا ہے، ضرور کسی پریشانی میں ہے، چلو مدد کرتے ہیں، کھنچے چلے آتے ہیں اور شکاری کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ شکاری مسکراتے ہوئے آتا ہے اور پالتو تیتر کو الگ اور سارے تیتروں کو الگ جھولے میں ڈال کر گھر لاتا ہے، پھر اپنے پالتو تیتر کے سامنے پکڑے گئے سب تیتروں کو ایک ایک کرکے کاٹتا ہے، مگر پالتو تیتر اُف تک نہیں کرتا،

اسے اپنے حصے کی خوراک: کاجو، کشمش، بادام جو مل رہا تھا۔ کم وبیش یہی حالت آج کے مسلمانوں کی بھی ہوگئی ہے۔ شکاری نے ایسے نہ جانے کتنے تیتر پال رکھے ہیں جن کی وجہ سے قوم دشمن کے جال میں پھنستی ہے اور یہ کٹتا ہوا دیکھتے ہیں، مگر اُف تک نہیں کرتے، کیونکہ اُن کو ان کے حصہ کی خوراک مل جاتی ہے۔

اس کے برعکس ایک سمجھدار اور عادل حکمران کی سوچ بھی ملاحظہ فرمائیں: کہتے ہیں کہ ایک حاکم اپنے مشیروں اور چند فوجی افسروں کے ساتھ بازار کا گشت کررہا تھا کہ اس نے ایک پرندے بیچنے والے کو دیکھا جو ایک پرندوں سے بھرا ہوا پنجرہ ایک دینار کا بیچ رہا تھا، جبکہ اس کے پاس ایک اور پنجرے میں ویسا ہی ایک اکیلا پرندہ تھا جس کی قیمت وہ دس دینار مانگ رہا تھا، حاکم وقت کو اس عجیب فرق پر بہت تعجب ہوا تو پوچھا: ایسا کیوں؟ پرندوں سے بھرا ہوا ٹوکرا ایک دینار کا اور ویسا ہی ایک اکیلا پرندہ دس دینار کا؟ بیچنے والے نے کہا: حضور! یہ والا اکیلا سکھایا ہوا ہے، جب بولتا ہے تو اس کے دھوکے میں آکر باقی کے پرندے جال میں پھنس جاتے ہیں، اس لیے یہ قیمتی ہے اور اس کی قیمت زیادہ ہے۔ حاکم وقت نے دس دینار دے کر وہ پرندہ خریدا، نیفے سے خنجر نکال کر پرندے کا سرتن سے جدا کیا اور زمین پر پھینک دیا۔ عسکری و سیاسی مصاحبوں نے تعجب سے پوچھا: حضور! یہ کیا کردیا ہے؟ اتنا مہنگا اور سکھلایا ہوا پرندہ خرید کر ماردیا؟ حاکم وقت نے کہا: یہی سزا ہونی چاہیے ہر اس خائن اور چرب زبان منافق کی، جو اپنی ہی قوم کے لوگوں کو اپنی بولی سے بلاکر اُن سے خیانت کرے۔

دور جانے کی ضرورت نہیں، گزشتہ سالوں میں سوات میں ایک ڈرامہ رچایا گیا، ایک اسکول پر حملہ کرایا گیا، جس میں ملالہ نامی ایک بچی زخمی دکھائی گئی، پھر کیا تھا کہ پاکستان سمیت پوری دنیا کا میڈیا صبح وشام، رات دن ایک ہی بات کی رَٹ لگاتا رہا کہ یہ تعلیم پر حملہ ہوا ہے، ایسے لوگوں کو عبرت ناک سزا ملنی چاہیے۔ اور پھر ملالہ کی آؤ بھگت یہاں تک کہ اسے نوبل انعام کا حق دار گردانا گیا۔ دنیا بھر میں پاکستان کو بدنام کرنے کے بعد اب وہ چند دنوں کے لیے واپس پاکستان آگئی ہے تو ہمارا وزیراعظم اس کا استقبال کررہا ہے، خصوصی پروٹوکول اُسے دیا جارہا ہے۔ افسوس صد افسوس!

سوال صرف اتنا ہے کہ مدرسہ پر حملہ ہوتا ہے اور ڈیڑھ سو سے زائد طلبہ شہید اور سینکڑوں زخمی ہوجاتے ہیں تو کوئی جھوٹے منہ بھی اس کی مذمت نہیں کرتا اور اگر یہ حملہ کسی اسکول پر ہوتا ہے تو ساری دنیا چیخ اُٹھتی ہے، نہ صرف اس کی مذمت کی جاتی ہے، بلکہ اسے تعلیم پر حملہ قرار دیا جاتا ہے تو آخر یہ تضاد کیوں؟!

ان شہید طلبہ کے ہاتھوں میں جو قرآن کریم ہے، کیا یہ مقدس کتاب نہیں؟! کیا یہ اللہ کا کلام نہیں؟! کیا اس کے کوئی حقوق نہیں؟! کیا یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے احتجاج نہیں کرے گا؟! کیا یہ مسلم حکمرانوں کے اس کردار کو اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں رکھے گا؟! سوچا جائے کہ اس وقت ان حکمرانوں کے پاس کیا جواب ہوگا؟!

لگتا یہ ہے کہ اسلامی ممالک کے حکمرانوں کا نظریہ اور فلسفہ وہی ہے جو مغرب اور لبرل ازم کے بانیوں کا ہے کہ علم صرف وہی ہے جس سے سرمایہ اور آمدنی میں اضافہ ہوتا ہو، جو سراسر محض عقلِ انسانی اور تجربہ کی الٹ پلٹ سے اخذ کیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک جو شخص وحی الٰہی اور علوم وحی کا انکار کرتا ہے اور ان سے ہدایت نہیں لیتا، وہی روشن خیال ہے اور جو شخص علوم وحی اور ان کے حاملین سے رجوع کرتا ہے، ان کے نزدیک وہ روشن خیال نہیں۔ ان کے نزدیک نفسِ انسانی ایک آزاد اور خود مختار وجود ہے، اس نفس کو کسی خارجی ذرائع سے ہدایت وراہنمائی کی ضرورت نہیں، لہٰذا ایسی سوچ کے حاملین کے ہاں تزکیہ وتصفیہ اور نفس وذات کی تعمیر وتشکیل بے معنی چیزیں ہیں، اسی لیے علماء اور دینی تعلیم کی کیا ضرورت ہے؟! ان کے نزدیک خیر وشر، حق وباطل، معروف ومنکر، حلال وحرام، جائز وناجائز کی اصطلاحات احمقانہ اصطلاحات ہیں۔ ان کے نزدیک اصل خیر اور ہدایت صرف آزادی کا عقیدہ ہے۔ اس کے سوا تمام تصوراتِ خیر، جہالت اور ضلالت ہیں۔ ان کے نزدیک اگر کوئی فرد اپنی ذاتی زندگی میں کوئی مذہب یا امورِ خیر میں سے کوئی راہ یا نظریہ اپناتا ہے تو اپنا لے، ریاست اور حکومت کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں، لیکن وہ اپنے اس تصورِ خیر یا مذہب کو صرف آزادی کے عقیدے کے تابع رکھے۔ اگر یہ خیر اس کے نظریۂ آزادی کے عقیدے کے لیے خطرہ بنے تو جان راس جو لبرل ازم کا سب سے بڑا سیاسی فلسفی ہے، وہ لکھتا ہے کہ ایسے لوگوں کو اس طرح ختم کر دیا جائے جس طرح جراثیموں کو ختم کیا جاتا ہے۔ لگتا یہی ہے کہ دنیا بھر میں مسلمانوں کا قتل عام لبرل ازم کے اس اصول کے تحت اسی لیے ہو رہا ہے۔

لبرل ازم کا بڑا فلسفی جان رالز اپنی کتاب ''پولیٹیکل لبرل ازم'' میں یہی جارحانہ، متشددانہ، دہشت گردانہ نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''لبرل ازم کے پیش کردہ آفاقی تصورِ عدل اور لبرل سرمایہ دارانہ معاشرے کی اقدار کے مخالفین ومنکرین جو اس اعلیٰ ترین نظامِ زندگی کو تلپٹ کرنا چاہتے ہیں، ان کو نہایت بے رحمی کے ساتھ پوری طاقت سے اس طرح کچل دینا چاہیے جس طرح جنگوں کو اور جراثیم کو ختم کیا جاتا ہے، تاکہ یہ وحشی اور جنونی 'لبرل نظامِ عدل کو تہس نہس نہ کرسکیں۔''

(بحوالہ: علماء کی تنخواہیں کم کیوں ہیں؟، ص: ۳۷، جناب سید خالد جامعی صاحب)

اس لیے مغرب میں لوگوں کو مذہب کے صرف اتنے حصے پر عمل کی آزادی ہے، جتنا حصہ لبرل تصورِ آزادی اور عقیدۂ عقلیت سے ہم آہنگ ہو، اسی فلسفے کی بنا پر مذہب صرف حکومتوں سے ہی نہیں، بلکہ لوگوں کی ذاتی زندگی سے بھی بے دخل ہوتا جا رہا ہے، العیاذ باللہ!

بحیثیت مسلمان' حکمران ہوں یا عوام، کسی ادارے کا سربراہ ہے یا کسی گھر کا نگران، ہم میں سے ہر ایک کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے یہ سوچنا چاہیے کہ میں اپنے فرائض اور اپنی

ذمہ داریوں کو پورا کررہا ہوں یا نہیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے کیا میں اپنے اللہ کے احکامات اور اپنے نبی ﷺ کی تعلیمات پر عمل کررہا ہوں یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اپنے خالق و مالک اور اپنے رب کو بھلا کر اس کے احکامات کو پس پشت ڈال کر خواہشات کا بندہ بن گیا ہوں، اگر ایسا ہے تو ایسے لوگوں کے لیے قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَلَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوْا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔'' (الحشر:۱۹)

''(اے مسلمانو!) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ، جنہوں نے خدا تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کے نفسوں کی بہتری بھی بھلا دی، وہی (یعنی یہ سزا ان لوگوں کو ملتی ہے) جو اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑنے والے ہیں۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

''أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ۔'' (الجاثیہ:۲۳)

''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفسانی کو اپنا معبود بنالیا ہے اور باوجود سمجھ کے اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کردیا ہے (کیونکہ اس گمراہ نے اللہ تعالیٰ سے ہدایات لینا چھوڑ دی ہیں)۔''

قرآنِ کریم کی ان دونوں آیات میں غور وفکر کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہدایاتِ الٰہیہ سے منہ موڑنے سے انسان گویا اندھا، بہرہ اور بے بصیرت ہوجاتا ہے، یعنی اس کو صحیح اور غلط کی تمیز نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی تلاش کی فکر ہوتی ہے، بلکہ وہ اپنی قوم، مذہب اور راہِ حق کو اپنی راہ میں رکاوٹ اور ناکامی کا سبب سمجھتا ہے اور غیروں کی کاسہ لیسی، ان کی خوش نودی اور ان کے ہر عمل اور کام کو صحیح سمت اور کامیابی کا زینہ سمجھتا ہے۔ **فاعتبروا یا أولی الأبصار**

اللہ تبارک وتعالیٰ کشمیر، فلسطین، شام اور افغانستان کے شہداء کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، ان کے لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے، ان شہداء کے خون کی برکت سے اُمتِ مسلمہ کو بیدار ہونے اور متحد ومتفق ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مسلم ممالک کے حکمرانوں سمیت ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دشمنانِ دین کی مکاریوں، فریب کاریوں، اور ان کے ناپاک عزائم سے ہم سب کو محفوظ فرمائے، آمین

اللّٰھم أرنا الحق حقًا وارزقنا اتباعهٗ وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابهٗ

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

مقالات ومضامین

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: جناب معراج محمد بارقؒ

زیرِنظر مضمون محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے تقریباً ۵۷/ ۵۸ سال قبل صفر المظفر ۱۳۸۱ھ میں عربی زبان میں تحریر فرمایا تھا، جو خاندانِ اللّٰہی کی ایک معروف بزرگ شخصیت صاحبِ ''تقویۃ الایمان''، عارف باللہ، اتباعِ سنت کے دلدادہ، مجاہد فی سبیل اللہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل ومحاسن پر مشتمل ہے، اسے اُردو کے قالب میں ڈھالنے کی سعادت جناب معراج محمد بارق مرحوم کو حاصل ہوئی۔ افادۂ عام کے لیے نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

جب کسی شخص کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ صحابیؓ ہے یا یہ کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اُٹھائی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی چند خصوصیات وفضائل پر زور دینا چاہتے ہیں، مثلاً: اس کی قوتِ ایمانی، شدتِ یقین، کمالِ اخلاص، علم کی گہرائی، حسنِ عمل، جہاد فی سبیل اللہ، اس کا آخرت کو ترجیح دینا، دنیا سے زہد، گویا اس کو صحابیؓ کا لقب دے کر ہم نے اس کے ان تمام کمال وجمال اور تمام فضائل ومحاسن کا اثبات کر دیا۔ اس طرح یہ ایک لفظ یا لقب اس شخص کے فضل وکمال کو ظاہر کرنے کے لیے نہایت بلیغ وجامع لفظ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (جو ایسے جلیل القدر صحابیؓ ہیں جن کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ: وہ اصحاب رسول اللہ میں علم وفقہ سے بھرا ہوا تھیلا ہیں) فرماتے تھے کہ: ''یہ سب اصحابِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جو اس اُمت میں سب سے افضل ہیں، سب سے نیک دل ہیں اور علم میں سب سے گہرے ہیں اور سب سے کم تکلف اور بناوٹ کرتے ہیں۔'' آخر میں آپؓ نے فرمایا کہ: ''تو اے لوگو! ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرو۔''

اس کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یاد کیجئے! جب ان سے پوچھا گیا کہ:

کون افضل ہیں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ؟ تو آپؒ نے فرمایا: ’’خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے ہوئے جو گرد وغبار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا، وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ہزار درجہ افضل ہے۔‘‘ (تطہیر الجنان لابن حجر العسقلانیؒ)

اور یہ حضرت ابن مبارکؒ (کوئی معمولی آدمی نہیں) یہ فقیہ، محدث، مجاہد، صوفی، عارف باللہ اور علم وفتویٰ میں ثقہ تھے۔ وہ دینی امور میں غیر سنجیدہ یا غیر ذمہ دارانہ باتیں کرنے یا بغیر علم ویقین کے فتویٰ دینے سے احتراز کرتے تھے۔ دراصل ان کے مذکور بالا قول کی وضاحت کے لیے ایک طویل مضمون کی ضرورت ہے، جس کا یہ موقع محل نہیں ہے۔

درحقیقت اس تمہید سے آپ پر یہ واضح ہو جائے گا کہ ہم جس شخص کے بارے میں یہ کہیں کہ: ’’وہ اپنے ایمان، اخلاص، حسنِ عمل، جہاد فی سبیل اللہ، ایثارِ آخرت اور مصائب پر صبر کرنے اور اتباعِ سنت جیسے کمالات میں صحابہؓ کے مشابہ ہے۔‘‘ تو یہ جملہ اس کے مآثر ومفاخر کے اظہار اور اثبات کے لیے کافی ووافی ہے۔

تو ہم یہ کہتے ہیں کہ: شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اسی گروہ اور اسی جماعت میں سے تھے جو تمام وکمال صحابہؓ کے مشابہ تھے۔ یہ لوگ نفوسِ قدسیہ اور نیک ارواح کے حامل تھے اور پاک صاف دل کے مالک تھے۔ وہ گویا فرشتے تھے جو انسانوں کی شکل میں ظاہر ہوئے یا (یوں کہیے کہ) وہ خیر البشر وسرُّ الوجود وسرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے فیض سے فرشتے بن گئے تھے، حتیٰ کہ ملائکہ نے ان پر رشک اور تعجب کیا اور ان کے لیے ثناء ودعا کی اور اس طرح اس قولِ الٰہی کا راز ظاہر ہوا، جو خداوند تعالیٰ نے آفرینشِ آدم (علیہ السلام) کے وقت ملائکہ سے مخاطب ہوکر فرمایا تھا کہ: ’’**إنی أعلم ما لاتعلمون**‘‘..... ’’میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔‘‘

سرزمینِ ہند میں پیدا ہونے والے لوگوں میں سے یہ صرف شاہ اسماعیل شہیدؒ تھے جو اِن اَخیار واصفیاء سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ سرزمینِ ہند کو حق ہے کہ وہ تمام دنیا کے سامنے اس بات پر فخر کرے کہ اس دورِ قحط الرجال میں ایسا باکمال انسان اس کے ہاں وجود میں آیا۔

شاہ صاحبؒ کو بڑی روشن طبیعت اور نفسِ زکیہ عطا ہوا تھا۔ آپ کا دل اتباعِ سنتِ نبویہ کے جذبہ سے سرشار تھا، اور بدعات سے متنفر تھا۔ اس کے علاوہ آپ کو اپنے خاندان کے بعض اہل علم بزرگوں کی صحبت میسر ہوئی تھی۔ یہ وہ گھرانا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کی دینی اصلاح کے لیے چنا تھا۔ قرآن وسنت کے علوم کا احیاء، دینی شعائر کی حفاظت، علومِ نبویہ کی اشاعت اور سنتِ نبوی کی ترویج اس خاندان کا مشغلہ تھا۔ علم وعمل، ذوق ووجدان اور معرفت وایقان ہر طرح سے انہوں نے دینی علوم

کی خدمت کی۔ انہی بزرگوں کی صحبت اور اپنی خصوصیات کی وجہ سے مشیئتِ الٰہی نے اپنی توفیقِ ربانی سے اُن کو نمایاں کیا اور اس قابل کیا کہ وہ سُنَنِ نبویہ کے احیاء کے لیے اور بدعاتِ سیئہ کے خاتمہ کے لیے مسلسل جدوجہد کریں اور اس نیک مقصد کے حصول کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لیں: اپنی زبان سے جو شمشیرِ برّاں کی طرح کام کرتی تھی اور اپنے قوی دل سے جو ایک مضبوط چٹان کی طرح اٹل تھا اور اپنی قوتِ تخیّل کے ذریعہ جو ایک کوندتی ہوئی بجلی کی طرح تیز تھی اور اپنے عزمِ راسخ سے جو آہن کی طرح پختہ تھا اور اپنے عملِ پیہم سے جو سیلِ رواں کی طرح جاری تھا۔

جب آپ کسی موضوع پر قلم اُٹھاتے ہیں تو آپ کی علمیت کے جوہر کھلتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیب کے پردوں سے اجتہاد کے چشمے اُبل پڑے ہیں جو آپ کے باغِ علم کی آبیاری کررہے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی چند تصانیف کی مثال دینا کافی ہے۔

آپ کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' پر نظر ڈالیے جو توحید کی شرح اور شرک کے رد میں ہے اور ''منصبِ امامت'' دیکھیے جو حکومتِ الٰہیہ علیٰ منہاج النبوۃ کے موضوع پر ہے، اُس میں اِس حکومت کے اصول ومبادی کی کیسی اچھی وضاحت کی ہے اور اس کے مناصب کو کس عمدہ طریق پر بیان کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ اسلامی شرعی حکومت جمہوریت اور ارسٹوکریسی (Aristocracy) کی خوبیوں کی جامع ہے اور یہ کہ دولتِ اسلامیہ جدید مغربی طرز کی خالص جمہوریت بھی نہیں ہے اور نہ خالصتاً ڈکٹیٹری (آمریت) ہے جس میں حاکم کا استبداد پایا جاتا ہے، جیسا کہ آج کل مروج ہے، بلکہ وہ ایک شرعی شورائی حکومت ہے جس کا دامن آمریت کی خامیوں اور خرابیوں سے پاک ہے اور اسی طرح آج کل کی جمہوریتوں کے نقائص اور گندگیوں وآلودگیوں سے بھی مُبرّا ہے۔ یہ کتاب واقعی اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے، جس میں آپ کے اجتہادی افکار پوری آب وتاب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اپنے طرزِ بیان میں بھی منفرد ہے اور عمدہ ترتیب وعمدہ اسلوب میں بھی ممتاز ہے۔ یہ کتاب ایسی بصیرت افروز ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں خلافت اور حکومتِ اسلامیہ کے لیے مضبوط اُمیدیں بندھ جاتی ہیں اور اس کے فوائد روشن ہوجاتے ہیں۔

اس بات کا گمان بھی نہیں تھا کہ آپ کو (اپنی مصروف زندگی میں) علوم صوفیہ میں سے علوم الحقائق پر قلم اُٹھانے کی فرصت ملے گی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی کتاب ''صراطِ مستقیم'' میں اس فن کے دقیق مسائل مذکور ہیں، جو آپ نے اپنے شیخ اور مرشد (شیخ سید احمد بریلوی شہیدؒ) سے مسائلِ تصوف اور اسرارِ حدیث کے سلسلہ میں حاصل کیے تھے۔ اس میں ایسے ایسے نکات موجود ہیں جن سے دوسری کتابیں عاری ہیں اور پھر اس کے بعد آپ کی کتاب ''عبقات'' آتی ہے، جس میں سے علم

الحقائق جیسے گہرے اور غامض علم کی خوشبوئیں پھوٹ رہی ہیں اور معارفِ الٰہیہ کی مہک اُٹھ رہی ہے۔

اسی طرح آپ کی ایک کتاب ''**إیضاح الحق الصریح فی أحکام المیت والضریح**'' ہے، جس میں اس زمانہ کی بدعتوں کا رد کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر یہ کتاب لاثانی اور بے نظیر ہے، بلکہ بعض مقامات پر یہ امام شاطبیؒ کی ''**الاعتصام**'' سے بھی فائق نظر آتی ہے۔

ایسا نظر آتا ہے کہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کے نیک کاموں اور اعلیٰ مقاصد کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ آپ جب منبر پر تقریر کے لیے کھڑے ہوتے تو دورانِ تقریر طوفانِ بادوباراں نظر آتے اور اپنے بلیغ وعظوں کے ذریعہ پتھر جیسے سخت دلوں کو موم کر دیتے اور جب کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے میدانِ جنگ میں اُترتے تو دھاڑتے ہوئے شیر نظر آتے اور ایسا معلوم ہوتا جیسے آپ نے ساری زندگی عسکری تربیت حاصل کرنے میں گزاری ہو اور جب حقائقِ الٰہیہ، معارفِ ربانیہ اور دقائقِ حکمت بیان کرنا شروع کرتے تو قلم آپ کا غلام نظر آتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس اخیر زمانہ میں سرزمینِ ہند پر کوئی ایسا باکمال شخص ظاہر نہیں ہوا۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کی جامع شخصیت میں یہ تمام مختلف خصوصیات اور گوناگوں صفات جمع کر دی تھیں اور اس طرح آپ نے ہر لحاظ سے صحابہ کرامؓ کی زندگی کا نمونہ پیش کر دیا تھا، خواہ وہ قوتِ ایمانی کی صفت ہو یا اتباعِ سنت میں شدت کا مسئلہ، زہد فی الدنیا ہو یا حُبِّ جہاد فی سبیل اللہ، یا ہر معاملہ میں قربانی وایثار کا جذبہ، حق کی خاطر فنا ہونے کا معاملہ ہو یا فنا فی رضاء الحق کا مسئلہ۔

درحقیقت آپ علم وعمل کے بہترین، صاف شفاف چشموں سے سیراب ہوئے تھے، پس آپ اپنے جدِّ امجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مثل تھے اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے بھی اور اپنے بھائیوں، چچاؤں اور دیگر بزرگوں کی تربیت کا آپ پر اثر تھا، اس کے علاوہ عارف باللہ ومجاہدِ کبیر شیخ سید احمد بریلوی شہیدؒ سے بھی آپ نے تربیت پائی تھی جو آپ کے امام اور مرشد تھے۔ آپ کا دل اخلاصِ عظیم کے نور سے منور تھا اور پھر آپ نے بہت مجاہدات اور ریاضتیں کر کے اپنے نفس کو مرتاض کیا تھا، لہٰذا یہ (کمالات پیدا ہونا) کوئی ایسی تعجب کی بات نہیں۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ مشیّتِ الٰہی یہ تھی کہ آپ عالم، عارف اور مجاہد فی اللہ ہوں، اتباعِ سنت کے دلدادہ ہوں، حق کے معاملہ میں جری وشجاع ہوں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں۔

آپ نے اپنی تمام زندگی وعظ وتذکیر، ردِ بدعات اور دینی اصلاح میں گزار دی اور قوم کا شیرازہ بکھرنے نہیں دیا (بلکہ ان کو صحیح راہ پر متفق ومتحد رکھا) پھر کفار سے جہاد کیا، یہاں تک کہ ہزارہ کے پہاڑوں میں بالاکوٹ کے مقام پر ۱۲۴۶ھ میں جامِ شہادت نوش فرمایا، **رحمه اللّٰه رحمةَ الأبرار والمجاهدین**۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

حضرت علامہ بنوریؒ کے شاگردِ خاص مولانا مولیٰ بخش صاحب

ایک باہمت اور درویش صفت مہتمم

مولانا عبدالرؤف غزنوی
سابق استاذ: دارالعلوم دیوبند انڈیا
حال استاذ: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو جہاں اللہ تعالیٰ نے علومِ دینیہ میں اتنا بڑا مقام عطا فرمایا تھا کہ اہل علم وبصیرت انہیں ان کے استاذ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) کے علوم کا صحیح ترجمان اور ان کے جانشین کے طور پر یاد کرتے ہیں، وہاں رب العزت نے ان کو قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل کرنے، تقویٰ وطہارت کی زندگی بسر کرنے اور اپنے اکابر کے نقشِ قدم پر چلنے کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ انہوں نے اپنے خداداد علمی مقام اور مقبولیتِ عامہ کو کبھی اپنی ذات یا اپنی اولاد کے ذاتی مفادات ومقاصد کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا، بلکہ اپنی صلاحیتوں، محنتوں اور سوچ وفکر کو دین کی ترقی، فتنوں کی سرکوبی اور رجالِ کار تیار کرنے میں صرف کیا۔

ان کے مخلصانہ جذبات کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ایک کام تو ان سے یہ لیا کہ ان کو ایک عظیم اور بابرکت دینی ادارہ ''جامعہ علوم اسلامیہ'' قائم کرنے کی توفیق بخشی، جس کی برکات چار دانگِ عالم میں پھیل گئیں۔ دوسرا یہ کہ ان کی محنتوں سے تحریکِ ختمِ نبوت کو کامیابی سے ہم کنار کردیا۔ تیسرا یہ کہ تصنیف وتحقیق کے میدان میں ''معارف السنن شرح جامع الترمذی'' اور دیگر تحقیقی رسائل ومضامین لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور چوتھا یہ کہ تدریس وتربیت کے میدان میں ان کے ذریعے ایسے مخلص شاگرد اور اہلِ علم وتقویٰ افراد تیار کردیئے جنہوں نے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک مختلف دینی میدانوں میں کامیاب کارنامے انجام دیئے اور دینی اداروں کے جال بچھا دیئے۔

حضرت علامہ بنوری قدس سرہٗ کے شاگردوں اور تیار کردہ افراد میں سے ایک حضرت مولانا

مولیٰ بخش صاحب مدظلہم العالی سابق استاذ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی اور بانی ومہتمم جامعہ امام ابوحنیفہؒ مستونگ بلوچستان بھی ہیں۔ حضرت علامہ بنوری قُدِس سرہٗ نے اپنی خداداد فراست وبصیرت کے ذریعے موصوف کی صلاحیت وصالحیت کو بھانپتے ہوئے ان کی فراغت کے بعد ہی مدرس کی حیثیت سے جامعہ علوم اسلامیہ میں ان کی تقرری کردی، اور وہ اس طرح کہ ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء کو مولانا مولیٰ بخش صاحب کی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے فراغت ہوئی اور سالانہ امتحانات بھی دے دیئے، امتحانات کے بعد ان کا ارادہ تھا کہ رحیم یار خان پنجاب جاکر چھٹیوں میں حضرت مولانا شریف اللہ خان صاحب سے فنِ میراث (سراجی) پڑھیں گے اور آنے والے تعلیمی سال میں جہاں بھی اللہ نے توفیق دی دین کی خدمت کریں گے۔ اس مقصد کے لیے اپنا بستر باندھ کر جامعہ علوم اسلامیہ کو خیر باد کہہ کر جانے والے تھے کہ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب قدس سرہٗ نے اچانک ان کو دیکھ لیا اور پوچھا کہ کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت! میں نے تو جامعہ سے فراغت حاصل کرلی ہے، اب چھٹیوں میں پنجاب جاکر فنِ میراث پڑھنا ہے اور آگے اللہ تعالیٰ جہاں بھی دین کی خدمت کا موقع دیں گے وہاں خدمت کروں گا۔ حضرت مفتی صاحب نے اُنہیں جانے سے روک لیا اور چھٹیوں میں دارالافتاء کے اندر حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب کے معاون کی حیثیت سے کام کرنے کا حکم دیا، اور پھر حضرت علامہ بنوری قدس سرہٗ سے جاکر عرض کیا کہ مولیٰ بخش نامی ایک بلوچ طالب علم جو اس سال فارغ ہوا ہے صاحبِ استعداد وصلاحیت ہونے کے ساتھ ساتھ نیک وصالح بھی ہے، وہ جارہا تھا، میں نے اسے روک لیا ہے، میرے خیال میں جامعہ علوم اسلامیہ میں مدرس کی حیثیت سے اس کی تقرری جامعہ کے حق میں اور خود اس کے حق میں بہتر رہے گی۔

حضرت علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی صاحب کی رائے کی تائید فرماتے ہوئے ان کو بلایا اور فرمایا کہ: آپ کو چھٹیوں کے بعد کہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں، آپ آنے والے تعلیمی سال میں اپنی مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ میں پڑھائیں گے! انہوں نے عرض کیا کہ: حضرت! میں جامعہ میں پڑھانے کا اہل کہاں؟ اور ابھی تک تو سالانہ امتحانات کا نتیجہ بھی نہیں آیا ہے، پتہ نہیں کہ میں پاس ہوں گا یا فیل؟ اگر فیل ہوا تو میں کیسے پڑھاؤں گا اور وہ بھی اتنے بڑے ادارہ میں! حضرت علامہ بنوریؒ نے فرمایا کہ ہمیں اپنے آپ کو نااہل اور فیل سمجھنے والے استاذ کی ضرورت ہے، لہٰذا آپ یہیں رہیں۔

راقم کہتا ہے کہ کتنا خوش قسمت ہے وہ طالب علم جس پر اساتذۂ کرام کی نظرِ انتخاب واعتماد پڑے؟ اور بالخصوص حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری اور حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہما اللہ جیسے اساتذہ کی! مولانا مولیٰ بخش صاحب نے اپنے دونوں بزرگوں کی دعائیں لیتے ہوئے جامعہ علوم اسلامیہ میں پڑھانا شروع کیا اور تقریباً چار سال تک حضرت علامہ بنوریؒ کی زندگی میں اور تقریباً چودہ

سال ان کے وصال کے بعد کل اٹھارہ سال کامیابی اور پابندی کے ساتھ جامعہ میں پڑھاتے رہے، چنانچہ آج تک جامعہ کے اساتذہ میں ان کے شاگرد موجود ہیں اور بعض تو اساتذۂ حدیث بھی ہیں۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے مستونگ منتقلی

حضرت مولانا مولیٰ بخش صاحب جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں اٹھارہ سال تک کامیابی کے ساتھ مدرس کی حیثیت سے مصروفِ عمل اور ترقی کی راہ پر گامزن رہے، ایک دفعہ ان کے آبائی علاقے ''مستونگ، بلوچستان'' کے ایک عالم دین اور ان کے ابتدائی درجات کے استاذ مولانا قاضی عبدالرحمٰن صاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ: اپنے علاقے میں دینی خدمت اور اخلاص کے ساتھ کام کرنے والے باصلاحیت آدمی کی زیادہ ضرورت ہے، اس لیے بہتر یہ ہوگا کہ آپ کراچی کو چھوڑ کر مستونگ آکر دین کی خدمت کریں، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں باصلاحیت افراد کی کوئی کمی نہیں، لہٰذا آپ کی منتقلی سے جامعہ کا ان شاء اللہ! کوئی خاص نقصان نہیں ہوگا، البتہ یہاں پر آپ کے آنے سے بڑا فائدہ ہوگا!۔

مولانا مولیٰ بخش صاحب نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ''وأنذر عشیرتک الأقربین '' (اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤ) کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے استاذ کے حکم پر لبیک کہا اور ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی اور دینی اداروں میں ملک کے سب سے مقبول ومشہور دینی ادارہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو خیر باد کہہ کر ایک دور افتادہ اور نسبتاً گم نام مقام ''مستونگ بلوچستان'' جاکر پڑاؤ ڈالا اور کوئی رسمی عہدہ لیے بغیر ایک چھوٹے مگر بہت ہی پرانے دینی ادارے ''مدرسہ عربیہ صدیقیہ'' کی خدمت اس مدرسہ کے مہتمم صاحب کی خواہش پر شروع کردی جو اُن کے اخلاص ومحنت کی برکت سے ترقی کے راستہ پر گامزن ہوا، کچھ عرصہ بعد جب طلبہ کا رجوع زیادہ ہونے لگا اور جگہ تنگ پڑ گئی تو ''مدرسہ عربیہ صدیقیہ'' سے تقریباً ڈیڑھ کیلومیٹر دور ایک دوسری جگہ حاصل کرکے ''جامعہ امام ابوحنیفہؒ'' کے نام سے دوسرا ادارہ قائم کیا اور اعدادیہ دوم سے درجہ سادسہ تک کی تعلیم کا سلسلہ وہاں منتقل کردیا اور حفظ وناظرہ اور اعدادیہ اول کا سلسلہ بدستور ''مدرسہ عربیہ صدیقیہ'' میں برقرار رکھا۔

مولانا مولیٰ بخش صاحب سے پہلی ملاقات

اللہ تعالیٰ نے راقم الحروف کو ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۵ء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں مدرس اور مدیر مجلّہ عربی ''البینات'' کی حیثیت سے خدمت کا موقع عنایت فرمایا، لیکن مولانا مولیٰ بخش صاحب چونکہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء کو جامعہ سے منتقل ہوگئے تھے، اس لیے مجھے جامعہ کی چار دیواری کے اندر ایک مدرّس کی حیثیت سے ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع میسر نہ ہوسکا! البتہ

جامعہ میں مدرسین کے اندر ان کے شاگرد حضرات موجود تھے اور وہ ان کے اخلاص، تواضع اور صلاحیتوں کا اس انداز سے تذکرۂ خیر کرتے رہتے تھے جس سے اس قحط الرجال کے دور میں غائبانہ طور پر اُن سے عقیدت اور ان سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوگیا۔ غالباً سالانہ چھٹیوں میں وہ ایک دفعہ کراچی تشریف لائے ہوئے تھے اور اپنی مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن بھی تشریف لائے، جہاں ان سے پہلی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ملاقات کے بعد ان سے عقیدت میں اضافہ ہوگیا اور ان کے زیرِ انتظام چلنے والے مدرسے کی زیارت کی تمنا بھی پیدا ہوگئی اور یہ ارادہ کیا کہ چونکہ مجھے ہر سال چھٹیوں میں کوئٹہ جانا ہوتا ہے، اس لیے ایسے ہی کسی موقع پر کوئٹہ سے مستونگ جاکر مولانا کے مدرسے کی زیارت کروں گا۔

مولانا مولیٰ بخش صاحب کے مدرسے کی زیارت اور وہاں کا پُر کیف ماحول

ماہِ شعبان ۱۴۲۶ھ مطابق ماہِ ستمبر ۲۰۰۵ء راقم الحروف کوئٹہ گیا ہوا تھا، اس دوران پتہ چلا کہ مولانا مولیٰ بخش صاحب کے ایک نوجوان صاحبزادے محمود احمد متعلم درجہ رابعہ کا ایک حادثہ میں انتقال ہوگیا ہے! یہ دلخراش خبر سن کر مولانا کی زیارت اور ان کے نوجوان صاحبزادے کی تعزیت کے لیے بروز منگل ۸؍شعبان ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۳؍ستمبر ۲۰۰۵ء کوئٹہ سے مستونگ روانہ ہوا، عصر سے پہلے پہنچ کر تعزیت کی اور عصر کی نماز پڑھ کر پرانے مدرسے ''مدرسہ عربیہ صدیقیہ'' اور نئے مدرسے ''جامعہ امام ابوحنیفہؒ'' کی زیارت کی۔ نیا مدرسہ چونکہ بالکل ابتدائی تعمیری مراحل سے گزر رہا تھا، اس لیے مولانا نے ازراہِ حسن ظن اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے احقر کی وابستگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی تکمیل کی دعا بھی کروائی، اس مختصر وقت میں مولانا کے طرزِ اہتمام اور ان کے زیرِ انتظام چلنے والے مذکورہ دونوں اداروں کے تعلیمی وتربیتی ماحول کو دیکھ کر راقم الحروف کافی متاثر ہوا اور بار بار حاضر ہونے کی تمنا لیے ہوئے واپس کوئٹہ روانہ ہوا۔

اس کے بعد کچھ تو عدیم الفرصتی اور کچھ اپنی غفلت کی وجہ سے تقریباً تیرہ سال کا عرصہ گزر گیا اور مستونگ جانے کا موقع نہ مل سکا۔ حال ہی میں ماہِ جمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ مطابق ماہِ مارچ ۲۰۱۸ء کوئٹہ جانے کا پروگرام بن گیا، وہاں پر برادرِ محترم مفتی سعادت اللہ صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند اور مولوی فیض الرحمٰن فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اور ایک مخلص دوست جناب محمد وقار خان صاحب کی معیت میں بروز اتوار ۱۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۴؍ مارچ ۲۰۱۸ء کوئٹہ سے مستونگ جانے کا ارادہ کیا۔ مقصد حضرت مولانا مولیٰ بخش صاحب کی زیارت اور ان کے مدرسے کا پر کیف ماحول دیکھنا تھا، چنانچہ تقریباً دس بجے ہم لوگ وہاں پہنچے اور جامعہ امام ابوحنیفہؒ اور اس کے درویش صفت بانی ومہتمم حضرت مولانا مولیٰ بخش صاحب مدظلہم العالی اور ان کے فیض یافتہ اساتذۂ

مدرسہ وطلبۂ عزیز کی زیارت نصیب ہوئی۔ مولانا نے بڑا اکرام کیا، بلکہ مدرسے کے اساتذہ وطلبہ کو جمع کرکے احقر سے ان کے سامنے بیان کرنے کی خواہش کا بھی اظہار فرمایا۔ احقر نے اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں طلبہ کے سامنے کچھ مختصر بیان کیا۔ بیان ودعا کے بعد نہایت سبق آموز تأثرات کے ساتھ وہاں سے کوئٹہ اور پھر کراچی واپسی ہوئی۔

مولانا مولیٰ بخش صاحب کے طرزِ اہتمام اور سبق آموز زندگی کی چند جھلکیاں

حضرت مولانا مولیٰ بخش صاحب جن کی عمر تقریباً ستر سال تک پہنچ چکی ہے، حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ جیسے اکابرین کے شاگرد اور صحبت یافتہ اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل وسابق استاذ اور جامعہ امام ابوحنیفہؒ مستونگ کے بانی ومہتمم اور وفاق المدارس العربیہ صوبہ بلوچستان کے پانچ اضلاع کے مسؤول ہیں۔ اللہ نے انہیں عزت وعرفی مقام، علمی صلاحیت واستعداد اور انتظامی امور سنبھالنے کی قابلیت سے نوازا ہے، وہ اگر چاہیں تو پر لطف و پرتکلف زندگی گزار سکتے ہیں، لیکن انہوں نے ہمارے اسلاف واکابر کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے درویشانہ اور بے تکلف زندگی کو ترجیح دی ہے جس کی برکت سے اس عمر میں بھی ان کی صحت قابلِ رشک اور پرسکون چہرہ قابل دید ہے۔ مدرسے کے اساتذہ، طلبہ اور ملازمین ان سے بے حد عقیدت ومحبت کرتے ہوئے ان کے لیے غائبانہ دعائیں کرتے ہیں اور ان کی عملی زندگی کو دیکھ کر ان سے بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں۔

مولانا کی عادات واخلاق، اخلاص وتواضع اور فقیرانہ زندگی وطرزِ اہتمام کو دیکھ کر مجھ جیسا کور مغز شخص بھی تأثر لیے بغیر نہ رہ سکا اور دل نے چاہا کہ ان کی زندگی کی چند جھلکیوں کو قلم بند اور محفوظ کرکے ان کی روشنی میں اپنی زندگی میں سادگی پیدا کرنے اور تکلُّفات سے دور رہنے کی کوشش کروں اور ساتھ ساتھ قارئین اور بالخصوص ان قابل احترام اور اہل فضل وعلم حضرات کو بھی اپنی زندگیوں پر غور کرنے کی دعوت دوں جو دینی اداروں کے انتظامی عہدوں پر فائز اور دین ہی کی برکت سے ان کو شہرت، مقبولیت اور عرفی مقام حاصل ہوا ہے۔

۱:- اپنے ہاتھ میں کرنی لے کر وضوخانہ کی دیوار پر پلاسٹر لگانا

جامعہ امام ابوحنیفہؒ کی پہلی زیارت کے موقع پر میں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ مولانا مولیٰ بخش صاحب اپنے کپڑوں کو سمیٹے ہوئے کرنی (سیمنٹ لگانے کا آلہ) اور مسالا لے کر مدرسہ کے وضوخانہ کی دیوار پر احتیاط ومہارت کے ساتھ پلاسٹر لگا رہے ہیں، اُنہیں ذرا دور سے دیکھ کر شروع میں تو مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے سابق استاذ اور جامعہ امام ابوحنیفہؒ کے بانی ومہتمم حضرت مولانا مولیٰ بخش صاحب ہیں! لیکن قریب جا کر جب سلام وکلام کی نوبت

پیش آئی تو پلاسٹر لگانے والے شخص کو مولانا مولیٰ بخش صاحب ماننے کے علاوہ کوئی احتمال باقی نہ رہا۔

۲:- بلیڈ لے کر طلبہ کے بالوں کو اپنے ہاتھ سے صاف کرنا

دینی مدارس میں طلبہ کو غیر شرعی بال رکھنے کی اجازت نہیں ہوتی، اور ناظمین کی طرف سے طلبہ کے سر کے بالوں کو وقتاً فوقتاً چیک کیا جاتا ہے اور ان کو بال صاف کرنے یا شریعت کے مطابق تراشنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ مولانا مولیٰ بخش صاحب کے مدرسے میں بھی طلبہ کو غیر شرعی بال رکھنے کی اجازت نہیں اور ان کی سہولت وتربیت کی خاطر مدرسہ خود ان کے بالوں کی صفائی کا انتظام کرتا ہے۔ مجھے باعتماد ذرائع سے پتہ چلا کہ طلبہ کے سروں کو بلیڈ سے صاف کرنے کے لیے چند دیگر ماہر افراد کے ساتھ بعض دفعہ مولانا خود بھی بلیڈ لے کر شریک ہوجاتے ہیں اور طلبہ کے بالوں کو اپنے ہاتھ سے صاف کردیتے ہیں۔ مولانا کی مذکورہ بالا دونوں خصلتوں اور ان سے ملتی جلتی دیگر عادتوں کو پیش نظر رکھ کر مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات سے متعلق حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ ذیل روایت یاد آتی ہے:

’’قیل لعائشة -رضی اللّٰہ عنہا-: ماذا کان یعمل رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فی البیت؟ قالت: کان بشراً من البشر یفلی ثوبَہٗ ویحلب شاتَہٗ ویخدم نفسَہٗ۔‘‘

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے، اپنے کپڑے میں خود ہی جُوں تلاش کرلیتے تھے (علماء کی صراحت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر میں جوئیں نہیں پڑتی تھیں، تلاش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شاید باہر سے کوئی جُوں آ گئی ہو) اور خود ہی اپنی بکری دوہتے تھے اور اپنے کام خود ہی کرلیتے تھے۔‘‘ (شمائل ترمذی، ص:۲۳)

۳:- لِلّٰہ فی اللہ مدرسہ کی خدمت کرنا

مولانا مولیٰ بخش صاحب مدرسہ کے انتظام وانصرام سنبھالنے اور مذکورہ بالا جیسے کاموں کو حسب توفیق اپنے ہاتھوں انجام دینے کے ساتھ ساتھ روزانہ چار اسباق بھی پڑھاتے ہیں، اور معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ مدرسہ سے کوئی تنخواہ وصول نہیں فرماتے، بلکہ ان کی فرمائش کے بغیر ان کے چند عزیز واقارب اور دوست واحباب ان کے ضروری راشن اور دیگر ضروریاتِ زندگی کا انتظام کرتے ہیں۔

مولانا کی مذکورہ ادا کو جان کر میری خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی، اس لیے کہ میرا خیال یہ تھا کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند (متوفی: ۱۴۳۲ھ) رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد شاید پھر کبھی زندگی میں کسی ایسے مخلص ودرویش صفت مہتمم کو دیکھنے کی نوبت پیش نہیں آسکے گی، جسے دیکھ کر مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اور ان کا مندرجہ ذیل جیسا کوئی واقعہ یاد آجائے:

واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی زندگی میں ان کے پیش کار (سیکریٹری) جناب بابو محمد طاہر صاحب (متوفی: ۱۴۲۲ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے میرے دارالعلوم دیوبند کے قیام کے زمانہ میں مجھے براہِ راست بتایا کہ دارالعلوم دیوبند کے اندر مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب سے سب سے زیادہ قریبی واسطہ میرا رہا ہے اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جب سے یہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بنے ہیں، آج تک انہوں نے مدرسہ کا ایک پان یا کوئی اور ایسی معمولی چیز بھی استعمال نہیں کی۔ دارالعلوم کے مہمان یا شوریٰ کے ارکان جب تشریف لاتے ہیں تو ان کا اکرام بھی مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اپنی جیب سے کرتے ہیں، اس لیے کہ مہمانوں کی دل جوئی کے لیے ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہونے کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ یہ نہیں چاہتے کہ مدرسہ کا ایک لقمہ بھی ان کے استعمال میں آجائے، لہٰذا ان مہمانوں کا اکرام اپنے ہی خرچہ پر کرتے ہیں۔

حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کے فیض یافتہ شاگرد مولانا مولیٰ بخش صاحب نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ اور ہمارے دیگر اکابرین کی یاد تازہ کردی ہے۔ ان کو قریب سے دیکھ کر مجھے یہ خوشی ہوئی کہ الحمد للہ! کچھ نہ کچھ چُھپے ہوئے قلندر اب بھی اس زمانے میں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی تعداد میں اضافہ فرمادے۔

۴:- اپنے صاحبزادے کو کنٹرول میں رکھنا اور عملی تربیت دینا

مولانا مولیٰ بخش صاحب کے صاحبزادے مولانا سعید احمد صاحب جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اور جامعہ امام ابوحنیفہؒ کے استاذ ہیں، وہ بھی روزانہ جامعہ امام ابوحنیفہؒ میں چار اسباق پڑھاتے ہیں اور مستونگ شہر کی ایک مسجد میں امام بھی ہیں۔ مولانا نے اپنے بیٹے کی اس طرح تربیت کی ہے کہ مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ وہ ایک ادنیٰ خادم کی طرح مدرسہ اور طلبہ کی خدمت کرتے ہیں، چنانچہ جب طلبہ کے لیے کوئی بکرا آتا ہے تو قصائی والا کام بوقتِ ضرورت خود کرتے ہیں، بکرے کو ذبح کرکے کھال اُتارتے ہیں اور پھر اُسے کاٹ کر طلبہ کے حوالے کردیتے ہیں اور اگر باتھ روموں کی پانی کی لائنوں میں کوئی خرابی پیدا ہوجائے تو اوزار لے کر کھدائی کرنے اور اسے درست کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے اور اسی طرح مدرسہ اور طلبہ کی ہر خدمت میں حسبِ موقع وضرورت حصہ لیتے ہیں۔

کمال کی بات یہ ہے کہ تدریس اور مذکورہ تمام خدمات کے عوض حضرت مولانا مولیٰ بخش صاحب مدظلہم اپنے ہونہار اور باکمال بیٹے مولانا سعید احمد صاحب کو مدرسہ کی طرف سے کوئی تنخواہ نہیں دیتے، بلکہ ان سے کہتے ہیں کہ تمہارے پاس ایک مسجد کی امامت کی ذمہ داری موجود ہے، جس کی تنخواہ تمہیں ملتی ہے، اسی پر گزارہ کرو، باکمال وسعادت مند فرزند نے بھی اپنے خداترس ودرویش صفت

والد ماجد کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا ہوا ہے۔

مولانا مولیٰ بخش صاحب کی مذکورہ بالا ادا کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ مدرسہ اور اس کی مالیات قوم کی امانت ہے، جس کی دیکھ بھال وحفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ان پر عائد کی ہے، لہٰذا اگر انہوں نے دیانت داری وامانت داری اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اس کی خدمت کی تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اجرِ عظیم پائیں گے، اور اگر خدانا خواستہ انہوں نے خود بے احتیاطی کی یا اپنی اولاد کو مدرسہ کے معاملات میں بے لگام چھوڑ دیا، تو یہی مدرسہ معاذ اللہ! ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے تباہی وبربادی کا ذریعہ بنے گا۔

۵:- مدرسہ میں درجہ سادسہ تک کی تعلیم پر اکتفاء کرنا

مولانا مولیٰ بخش صاحب کے مدرسے میں درجہ سادسہ تک کی تعلیم کا انتظام ہے۔ موقوف علیہ اور دورۂ حدیث کے لیے اپنے طلبہ کو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی یا دیگر بڑے مدارس میں اس مقصد کے تحت بھیجتے ہیں کہ ان کے بقول وہاں کا تعلیمی وتربیتی نظام بہت مضبوط اور طلبہ کے لیے مفید ہے، لہٰذا طلبہ کے حق میں بہتر یہ ہے کہ وہ فراغت ان بڑے مراکز سے حاصل کر کے اپنی نسبت ان سے جوڑ دیں، حالانکہ مولانا کامیابی کے ساتھ حدیث پڑھا سکتے ہیں اور ان کے پاس دیگر مخلص اور باصلاحیت اساتذۂ کرام بھی موجود ہیں، جو اُن کے ساتھ مل کر درجہ موقوف علیہ اور درجہ دورۂ حدیث کو کامیابی سے ہم کنار کر سکتے ہیں، میں نے خود بھی ان سے گزارش کی کہ آپ اپنے مدرسے کو دورۂ حدیث تک لے جائیں، تاکہ آپ کی نگرانی میں کچھ مخلص ومتقی افراد تیار ہوتے رہیں، لیکن وہ اللہ کے مخلص بندے شاید اس بات سے گریز کرنا چاہتے ہیں کہ لوگ انہیں شیخ الحدیث کے نام سے یاد کریں۔

مولانا کی اس عادت وجذبے کو جان کر ان حضرات کو اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرنے کی ضرورت ہے جو چھوٹے چھوٹے مدارس قائم کرتے ہیں اور ابتدائی درجات میں بہتری لائے بغیر درجۂ دورۂ حدیث تک اُنہیں لے جاتے ہیں اور پھر غیر معیاری افراد کو حدیث پڑھانے کے لیے بٹھا دیتے ہیں، جس سے تعلیم وطلبہ کا بے حد نقصان ہو جاتا ہے۔

۶:- گمنامی اور یکسوئی کے ساتھ کام کرنے کو ترجیح دینا

مولانا مولیٰ بخش صاحب کی ایک عادت یہ سامنے آئی کہ وہ گمنامی اور یکسوئی کے ساتھ دین کی خدمت کو ترجیح دیتے ہیں، تشہیر اور دکھلاوے کو بالکل پسند نہیں فرماتے۔ مجھے جب ان کی بعض قابلِ رشک عادتوں کا علم ہوا اور دل میں یہ مناسب سمجھا کہ اپنے فائدے اور دوسرے دوست واحباب اور اہلِ علم حضرات کے فائدے کی خاطر انہیں قلمبند کرنے کی کوشش کروں! تو اس مقصد کے تحت میں نے سنجیدگی کے ساتھ ان سے کچھ ان کی ذاتی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی، ان کو شاید یہ اندازہ

ہوگیا کہ میں ان کے بارہ میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں تو انہوں نے معلومات دینے سے معذرت کرتے ہوئے بات کا رُخ دوسری طرف موڑ دیا، میں نے بھی اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور مذکورہ معلومات دیگر باوثوق وبااعتماد ذرائع سے حاصل کیں، جس کے لیے مجھے کافی محنت بھی کرنی پڑی۔ تشہیر ودکھلاوے سے مولانا کے اجتناب ونفرت کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل دو حدیثوں اور ان جیسی دیگر حدیثوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے ہیں:

پہلی حدیث

’’عن جندبؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰہ بہ ومن یُرائی یُرائی اللّٰہ بہٖ‘‘

’’جس نے تشہیر کے لیے کام کیا اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کی تشہیر کرائے گا اور جس نے دکھلاوے کے لیے کام کیا اللہ تعالیٰ اس کو سرِعام رسوا کرے گا۔‘‘ (بخاری شریف، ج:۲،ص:۹۶۲)

دوسری حدیث

’’عن انسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: بحسب امرئ من الشر أن یُشار إلیہ بالأصابع فی دین أو دنیا إلا من عصمہ اللّٰہ۔‘‘

’’انسان کے لیے یہی برائی (آزمائش) کافی ہے کہ دینی یا دنیوی وجاہت کی وجہ سے ان کی طرف انگلیوں سے اشارے کیے جارہے ہوں (اس لیے کہ ایسی صورت میں فتنوں میں مبتلا ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے) مگر وہ شخص جس کو اللہ نے محفوظ رکھا۔‘‘ (مشکوۃ شریف، ج:۲،ص:۴۵۵، بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)

آخر میں راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ دینی اداروں کے ذمہ داران حضرات کو جہاں اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت کرنے کا ایک بے بہا موقع عنایت فرمایا ہے، وہاں انہیں ایک آزمائش میں بھی مبتلا کردیا ہے، اگر انہوں نے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امانت داری ودیانت داری کے ساتھ مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی تو قیامت کے دن ان شاء اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور بڑا مقام اُنہیں نصیب ہوگا، اور اگر خدانخواستہ انہوں نے ان مدارس کو اپنی ذاتی جائیداد کی طرح تصور کرتے ہوئے اپنی ذاتی اغراض ومقاصد کے لیے استعمال کیا اور مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان ہی کے نام پر تعاون کرنے والے مخلصین کی حق تلفی کی اور انہوں نے قیامت کے دن اللہ کے دربار میں ان کے خلاف مقدمہ دائر کردیا تو وہ ان کے لیے سخت رسوائی کا دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص وہدایت نصیب فرمائیں۔

مکاتیب علامہ محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

...بنام ...مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

(چودھویں قسط)

﴿ مکتوب:......۲۳ ﴾

جناب مولانا، علامہ، علماء کی آنکھوں کی ٹھنڈک، محقق، سید محمد یوسف بنوری **حفظه الله**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام، آپ کا والا نامہ اور ''**کتاب الحجج**''(۱) کے چند اجزاء موصول ہوئے۔ آپ اور دیگر احباب کی خیر وعافیت پر اللہ سبحانہٗ کا شکر ادا کیا، اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے دائمی عافیت اور توفیق کے واسطے دعا گو ہوں، اور قبولیتِ دعا کے مواقع میں آپ سے بھی مبارک دعاؤں کی توقع رکھتا ہوں، اس لیے کہ آپ کی مقبول دعاؤں کا بہت محتاج ہوں، نیز آپ کو خط لکھنے میں کوتاہی کا اعتراف ہوں، لیکن اس حوالے سے بعض اعذار میرے لیے سفارشی ہیں، باقی (میری) صحت (کی ناسازی) کا تو آپ کو علم ہے، کشادگی وتنگی ہر حال میں اللہ سبحانہٗ کا شکر گزار ہوں، وہی ہر تکلیف کو دور کرنے والا ہے۔

''**بلوغ الأماني**''(۲) کی مانند امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی ایک رسالہ(۳) لکھا ہے، جس کی چھپائی جاری ہے، شاید مہینے بھر میں مکمل ہوجائے گی، مجلس (علمی) کی ترقی اور اس سلسلے میں جلدی قدم اُٹھانے کے بارے میں بہت گفتگو کر چکا ہوں، مکرر امید ہے۔ مولانا میاں کو بھی میں نے لکھا ہے، اور ان سے کتابوں کی طباعت کی نگرانی کے لیے مولانا ابوالوفاء صاحب کو قاہرہ بھیجنے کی درخواست کی ہے، یہ نہایت درست تدبیر ہے، معلوم نہیں ان کی کیا رائے ہے؟!

مولانا سید مہدی حسن (کی کتاب) کے اجزاء کے حوالے سے مولانا ابوالوفاء کو لکھا ہے،

انہوں نے ذکر کیا ہے: مولانا مفتی (مہدی حسن صاحب) کی خواہش ہے کہ میں ان اجزاء کو دیکھ لوں، میرے لیے یہ تصور بھی نہیں کہ ان کے وسیع مطالعے پر کوئی استدراک کرسکوں، اور یہ خواہش بھی ان کی انتہائی تواضع کا نتیجہ ہے، باقی آپ جو کچھ بھی ارسال کریں گے' میں استدراک کے تصور کے بغیر اس کا مطالعہ اور استفادہ کروں گا۔

تمام احباب کو میرا سلام، سب سے دعاؤں کا امید وار۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کی حفاظت فرمائے۔

آپ کا بھائی: محمد زاہد کوثری

محرم سنہ ۱۳۶۸ھ، شارع عباسیہ نمبر: ۶۳، قاہرہ

حواشی

۱:......مولانا مہدی حسن شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''كتاب الحجة على أهل المدينة'' کی تحقیق و تعلیق کا کام شروع کیا تھا، اور اس کے کچھ اجزاء مراجعت و اظہارِ رائے کے لیے علامہ کوثریؒ کو ارسال کیے تھے، لیکن پیشِ نظر مکتوب اور آئندہ مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ بینائی کی کمزوری کی بنا پر علامہ موصوف یہ کام نہیں کر پائے۔

۲:......مکمل نام ''بلوغ الأماني في سيرة الإمام محمد بن الحسن الشيباني'' ہے۔

۳:...... یہ رسالہ ''حسن التقاضي في سيرة الإمام أبي يوسف القاضي'' کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔

مکتوب:......۲۴

اخی فی اللہ، علامہ، مہربان، مولانا سید محمد یوسف بنوری حفظه الله ورعاه ووفقهٗ وإيانا لما فيه رضاه (اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کو اور ہمیں اُن اعمال کی توفیق ارزاں فرمائے جن میں اس کی رضا ہو)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام ''نصب الراية'' کے چند اجزاء اور آپ کے دو گرامی نامے موصول ہوئے تو آپ کی عافیت وسلامتی پر اللہ سبحانہٗ کا شکر گزار رہا۔

میں نے پہلے بھی مولانا میاں کو اپنی رائے لکھی تھی کہ معاملے کی تفصیلات میں پڑے بغیر مولانا ابوالوفاء کو مجلس (علمی) میں منتقل کر کے انہیں یہاں (مصر میں) کتابوں کی طباعت کی نگرانی سپرد کر دی جائے، اس لیے کہ (جزوی) تفصیلات کا مرحلہ فی الجملہ قبولیت کے بعد ہوتا ہے، لیکن انہوں نے تا حال اس رائے کا کوئی جواب نہیں لکھا، اور آپ کو بھی نہیں لکھا، شاید ان کا کوئی عذر ہو گا جس کا ہمیں علم نہیں، اس (کام) کی سہولت وآسانی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

میری رائے ہے کہ آپ نشر واشاعت کے معاملے کو اللہ جل جلالہٗ کے حوالے کر کے شرح (**معارف السنن**) کی تکمیل میں لگے رہیں، آپ جیسی شخصیت کے عزائم میں سستی کا گزر نہ ہونا چاہیے، تکمیل کی توفیق دینے والے کے ہاتھ میں اشاعت کی سہولت پیدا کرنا بھی ہے۔ علمی مسائل میں ہم جتنی بھی جلدی سے کام لے لیں، راہِ علم میں خرچ کا بار اُٹھانے والوں کے دلوں میں سچی رغبت کے بغیر ہم جلد کام نہیں کر سکتے، اور اللہ سبحانہٗ ہی دلوں میں ڈالنے والا اور وہی راہِ راست پر گامزن کرنے والا ہے۔ (۱)

امید ہے کہ ''**نصب الرایة**'' کے اجزاء کو بذریعہ ڈاک ارسال کرنے کے مصارف آپ بتادیں گے، کیوں کہ مولانا میاں سے بوقتِ ملاقات میں نے دریافت کیا تھا کہ کیا آپ نے کتاب کی قیمت میں اضافہ کیا ہے؟ اور اس کے چند نسخے کیسے حاصل ہو سکتے ہیں؟ تب ان کا کہنا تھا کہ ہم نے قیمت نہیں بڑھائی، اور نسخے مجلسِ علمی میں محفوظ ہیں۔ میں نے پوچھا: قیمت کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ تو انہوں نے کہا: ہم ان کے بدلے مصر سے کتابیں منگوالیں گے۔ میں نے کہا: یہ ٹھیک رہے گا، تب آپ کتاب کے چار نسخے بھیج دیں گے۔ آپ کی بلند ہمتی کی بدولت نسخے موصول ہو گئے، اب میں ڈاک خرچ جاننے کا خواہش مند ہوں، تاکہ سابقہ طریقہ کار کے مطابق اُسے ارسال کردہ نسخوں کی قیمت کے ساتھ ملا کر سب کا حساب درست کر سکوں۔

احباب کی خیریت سے مسرت ہوئی، ان سب کو اور خصوصاً مولانا مفتی (مہدی حسن) اور مولانا ابوالوفاء کو میرا ہدیۂ سلام پیش کر دیجیے، اپنی صحت کے حوالے سے کچھ کہنا پسند نہیں کرتا، اس پہلو سے آپ کو کتنا تشویش میں مبتلا کر چکا! تاحال مولانا مفتی (مہدی حسن) کے (بھیجے گئے) اجزاء کا مطالعہ نہیں کر پایا، کمزور بینائی حسبِ خواہش مطالعے میں رکاوٹ ہے، مزید براں مولانا مفتی صاحب کی وسعتِ مطالعہ نے ان روشن مباحث پر استدراک کی گنجائش نہیں چھوڑی، جس روز سہولت ہوئی ان شاء اللہ! ان اجزاء کا مطالعہ واستفادہ کریں گے۔ آپ کی شرح کے ارسال کردہ حصے بھی اسی مسئلے (کمزور بینائی) کا نشانہ ہیں، بلاشبہ آپ کے لکھے ہوئے میں کوئی استدراک کرنے کی میری استطاعت نہیں، خصوصاً جبکہ مختلف مصادر کی مراجعت بھی آسان نہیں رہی۔

''**لجنة إحياء المعارف النعمانية**'' کی منتقلی کے متعلق احوال سے ناواقفیت کی بنا پر کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ سہولت ہو تو حیدرآباد (دکن، ہندوستان) کی مطبوعہ ''**تاریخ البخاری**'' کا حصہ دوم (دونوں قسمیں) بھیجنے کی مہربانی فرمادیجیے، (ان کی) قیمت کے بقدر مصر کی مطبوعہ کتابیں طلب کر سکتے ہیں۔ مصاحف کے معاملے میں ازہر کا ''**مکتبة مصطفٰی الحلبی**'' سب سے معتمد ہے۔ آج

جا کر استاذ نصّار سے گفتگو کی ہے، فی الحال وہ آپ کے ذکر کردہ پتے پر قیمتیں، شرائط اور نمونے لکھ (کر بھیج) رہے ہیں۔ کوثری بھی بعض لوگوں کے ردوقدح سے نہیں بچ پایا، ان میں ''**مدرسة الفلاح**'' مکہ مکرمہ کے مغربی استاذ(۲) بھی ہیں، جنہوں نے (اس نقد میں میرے ہمراہ) آپ کا حصہ بھی رکھا ہے(۳)، میں نہیں سمجھتا کہ آپ اس سے متاثر ہوں گے، جس کی مرضی جو کہے۔

اس مکتبے میں ''**إشارات المرام**''(۴) کی چھپائی جاری ہے، (**حسن التقاضی فی سیرة الإمام**)**أبی یوسف (القاضی)** کے چند نسخے بھیجے ہیں، امید ہے موصول ہو گئے ہوں گے۔ میں نے شاہ (ولی اللہ) دہلویؒ کے متعلق ان کی بعض کمزور باتوں(۵) سے مذہب (حنفی) کے مخالفین کے بکثرت استدلال کی مناسبت سے کچھ گفتگو کی ہے۔(۶) اس حوالے سے مجھے معاف رکھیے گا۔(۷)

حالیہ دنوں حیدرآباد میں چھپی کسی چیز کے بارے مجھے خبر دیں گے تو اس خاص کرم پر شکرگزار رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خیر و عافیت کے ساتھ زندگی بخشے، میرے عزیز تر بھائی!

محمد زاہد کوثری

ربیع الاول سنہ ۱۳۶۸ھ، شارع عباسیہ نمبر: ۶۳، قاہرہ

حواشی

۱:......معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی طباعت کے مصارف کی بنا پر ''**معارف السنن**'' کی تکمیل کے حوالے سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہمت ٹوٹ رہی تھی، یہاں علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ انہیں کتاب مکمل کرنے کی حوصلہ افزائی اور طباعت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں، بعد میں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور غیبی امداد سے اس وقت تک لکھے گئے حصے کی طباعت کا انتظام بھی فرما دیا، جس کا قدرے تفصیلی تذکرہ ''**معارف السنن**'' (جلد ششم کے آخر میں) خود حضرت کے قلم سے درج ہے۔

۲:......شیخ محمد عربی تبّانی مالکی کی طرف اشارہ ہے، جو مکہ مکرمہ میں مقیم تھے، نامور عالم، فقیہ، مؤرخ اور علم انساب کے ماہر تھے، حرمِ مکی اور ''**مدرسة الفلاح**'' مکہ مکرمہ کے مدرس تھے، ۱۳۱۳ھ میں الجزائر میں آنکھ کھولی، اور ۱۳۹۰ھ میں وفات پائی۔ دیکھیے: ''**تشنيف الأسماع**'' محمود سعید ممدوح (ص: ۳۷۱-۳۷۵)، ''**الجواهر الحسان**'' زکریا بیلا (ج: ۱، ص: ۲۶۳-۲۷۱) اور ''**أعلام المكيين**'' عبدالرحمٰن معلّمی (ص: ۶۷۴-۶۷۵) ڈاکٹر محمد بن ابوبکر باذیب نے ان کے مفصل حالات انٹرنیٹ پر اپنے ''**مدونة**'' میں شائع کیے ہیں۔

استاذ تبّانی نے علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کے رد میں ''**تنبيه الباحث السرى إلى ما فى رسائل وتعاليق الكوثرى**'' کے نام سے ۲۰۳ صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھی تھی، جو سنہ ۱۳۶۷ھ میں ''**مطبعة مصطفٰى البابى الحلبى**'' مصر سے طبع ہوئی۔ بظاہر سنہ ۱۳۶۹ھ کے حج کے موقع پر اس کتاب کے حوالے سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا استاذ تبّانی سے مباحثہ ہوا تھا، اس کے احوال علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کو لکھے ہوں گے، اسی پر موصوف نے تعریف کی ہے۔ مزید آگے دیکھیے: مکتوب: ۳۹۔

۳:......ملاحظہ کیجیے: ''**تنبيه الباحث السرى**'' (ص: ۶)۔

۴:...... یہ کتاب اسی سال سنہ ۱۳۶۸ھ میں شیخ یوسف عبدالرزاق کی تحقیق کے ساتھ ۳۵۵ صفحات میں طبع ہوئی ہے، علامہ کوثریؒ کا اس پر مقدمہ ہے، اگلے مکتوب میں اس کتاب کے حوالے سے علامہ موصوف کے تعریفی کلمات بھی آرہے ہیں، طباعت میں ان کی کوشش کا دخل رہا ہے۔

۵:......حنفیت وتقلید کے مخالفین اور مدعیانِ اجتہاد نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب سے بہت مدد لی ہے۔ استاذ محمد عربی تبّانی نے بھی ''تنبیہ الباحث السری''میں شاہ صاحب کی عبارات بکثرت نقل ہیں، بظاہر علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کی ''حسن التقاضی فی سیرۃ الإمام أبی یوسف القاضی'' استاذ تبّانی پر رد میں لکھی گئی ہے، کیونکہ علامہ اس میں موصوف پر بکثرت نقد کرتے دکھائی دیتے ہیں، کتاب کے صفحہ: ۴۸ پر ان کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

۶:......دیکھیے: ''حسن التقاضی'' (ص: ۹۵-۹۹) اور ان رسائل کا چوتھا ضمیمہ۔

۷:......علمائے پاک وہند کے ہاں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی صاحب زادوں کو اشاعتِ علم اور مجاہدانہ کارناموں کی بنا پر بلند مقام حاصل ہے، ان دیار کی اسانیدِ حدیث اور تصوف کے سلسلوں میں بھی شاہ صاحب مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے ان جیسی غیر معمولی شخصیت پر علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کا رد خود علامہ اور شاہ صاحبؒ کے معتقدین پر شاق گزرنا فطری بات ہے، جسے بھانپ کر یہ اعتذار پیش کیا ہے۔

(جاری ہے)

''بینات'' (اردو/عربی) کے اجراء کا طریقہ

1:...جو حضرات دفتر ''بینات'' تشریف لاسکتے ہوں، وہ دفتر آکر اپنا مکمل پتہ اور فون نمبر درج کرانے کے ساتھ ماہنامہ ''بینات'' اردو کے لیے مبلغ 400 روپے اور سہ ماہی ''البینات'' عربی کے لیے 100 روپے سالانہ فیس جمع کرائیں۔

2:...دور رہنے والے حضرات اپنے مکمل پتہ کے ساتھ مذکورہ فیس کا منی آرڈر دفتر ''بینات'' کے پتہ پر بھیجیں اور منی آرڈر کے آخر میں یہ وضاحت ضرور فرمائیں کہ یہ رقم رسالہ ''بینات'' (اردو یا عربی) کے اجراء کے لیے ہے۔

3:... یا ''بینات'' کے بینک اکاؤنٹ میں مذکورہ فیس جمع کرواکر بینک سے ملنے والی رسید اسکین کرکے اپنے نام، مکمل پتہ اور فون نمبر کے ساتھ ''بینات'' کے ای میل ایڈریس پر میل کردیں۔ یا بذریعہ ڈاک بھیج دیں۔

نوٹ:... پرانے خریدار بھی مذکورہ طریقوں سے سالانہ فیس جمع کراسکتے ہیں، مگر ان کے لیے اپنے خریداری نمبر کی وضاحت ضروری ہے (اردو اور عربی کی تعیین کے ساتھ)۔

اسلامی بینک کاری اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مذاہبِ متبوعہ سے استفادے کی تفصیل

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
نگران شعبہ تخصصِ فقہِ اسلامی، واستاذ جامعہ

﴿خط﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قابلِ صد احترام استاذِ مکرم حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از سلام مسنون! اُمید ہے کہ آپ اور جملہ اساتذۂ جامعہ خیر وعافیت سے ہوں گے۔ عرض یہ ہے کہ جامعہ کے ترجمان رسالہ ماہنامہ ''بینات'' میں ''مروجہ اسلامی بینک کاری اور تکافل'' کے موضوع پر آپ کے تحریر فرمودہ مضامین سے مستفید ہوتے رہتے ہیں، جو کہ ہم جیسے مبتدی طلبہ کے لیے نہایت مفید ثابت ہوتے ہیں۔

باعثِ تحریر یہ ہے کہ مؤرخہ ۲۱ رفروری ۲۰۱۸ء کو بمقام سرینہ ہوٹل اسلام آباد میں اسلامی بینک کاری اور تکافل کے عنوان سے منعقدہ پروگرام میں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم نے اپنے خطاب کے دوران غیر سودی بینک کاری کے قیام میں علماء کرام کی جدو جہد کا تذکرہ کرتے ہوئے کچھ باتیں محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ کے حوالے سے ارشاد فرمائیں جو میں حضرت شیخ الاسلام صاحب زید مجدہم کے الفاظ میں نقل کر دیتا ہوں:

> ''مجھے یاد ہے کہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ - اللہ تعالیٰ نے جن کی مجھے مدتِ دراز تک رفاقت کا شرف عطا فرمایا - وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ: کسی نہ کسی طرح تم اس سود کے نظام سے نجات حاصل کرنے کے لیے ائمہ اربعہ کے کسی بھی مسلک کو اختیار کرنا پڑے، کسی غیر متبوع اور مرجوح روایت کو اختیار کرنا پڑے تو اس کے لیے کوشش کرو، تاکہ کم از کم آدمی حرام سے نکل کر حلال میں آجائے۔

یہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار ارشاد فرمایا اور ''بینات'' میں اس موضوع پر اداریئے لکھے اور سب سے پہلا جو غیر سودی بینک قائم ہوا تھا پاکستان میں ، اس کو ''اسلامک کو آپریٹیو بینک'' کے نام سے ایک صاحب نے قائم کیا تھا، جب وہ قائم ہوا تو حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے اوپر ''بینات'' میں ایک عظیم خوشی کا اظہار کیا، بلکہ خود بنفسِ نفیس جا کر اس کا افتتاح فرمایا، حالانکہ اس میں ابھی تک شرعی اعتبار سے بعض محلِ نظر چیزیں تھیں، لیکن مجرد یہ بات کہ قدم بڑھا ہے اسلامی بینک کاری کی طرف تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا خیر مقدم فرمایا۔''

ایک اور بات یہ ارشاد فرمائی:

''حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ آج بھی کانوں میں گونجتا ہے، فرماتے تھے: کتابوں کی ورق گردانی کرو، چاروں ائمہ میں سے کہیں بھی تمہیں کوئی راستہ ملے تو اس کو اختیار کرو۔'' (انتہیٰ بلفظہ)

حضرت بنوری نور اللہ مرقدہٗ کے ان دو ملفوظات کے پسِ منظر میں بصد ادب واحترام آپ سے سوال ہے کہ اگر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ غیر سودی بینک کاری کے قیام کے لیے اس حد تک وسعت کے قائل تھے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کا بھی کوئی قول مل جائے چاہے غیر متبوع اور مرجوح ہی کیوں نہ ہو، اسے ''غیر سودی بینک کاری'' کی بنیاد بنا لیا جائے تو مروجہ اسلامی بینک کاری کی تردید میں کسی قسم کی کوئی گنجائش اور لچک نہ دینے والا ہمارا رویہ کس حد تک درست ہے؟ براہِ کرم اپنے قیمتی اوقات میں سے وقت نکال کر بندہ کے اس خلجان کو دور فرمائیں۔

فقط والسلام

تلمیذکم: محمد حامد

معرفت: مسلم دواخانہ، شاہی روڈ، نزد گورنمنٹ ہائی اسکول، خان پور، ضلع رحیم یار خان

﴿جواب﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز القدر مولانا محمد حامد صاحب! سلّمہٗ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مورخہ ۷/رجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۵/مارچ ۲۰۱۸ء کو تحریر کردہ آپ کا والا نامہ موصول ہوا، جواب میں قدرے تاخیر پر معذرت خواہ ہوں۔

مؤرخہ ۲۱؍فروری ۲۰۱۸ء کو میزان بینک وغیرہ کی میز بانی میں منعقد ہونے والے پروگرام کا آپ نے حوالہ دیا، اور مخدوم العلماء حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کے بیان بابرہان کا ایک حصہ نقل فرمایا، جس میں حضرت مخدوم گرامی نے محدث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ سماعی ارشادات اپنے حافظہ وذاکرہ سے سامعین کے سامنے نقل فرمائے تھے۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بینکوں کی اسلام کاری کے لیے بلاقید وشرط مذاہبِ متبوعہ کی طرف چلے جانے کی نہ صرف اجازت دیتے تھے، بلکہ غیر متبوع اور مرجوح قول سے استفادہ کی ایک گونہ ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بابت ''بینات'' میں اداریے لکھے تھے۔

دوسرا یہ کہ کراچی میں ''اسلامک کوآپریٹو بینک'' کے نام سے ایک ادارہ کھلا تھا جس کا حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے افتتاح فرمایا تھا، اور ''بینات'' میں ادارے کے کارپردازوں کی حوصلہ افزائی، تحسین اور تشجیع بھی فرمائی تھی، باوجودیکہ اس ادارے کے تمویلی طرق مکمل اسلامی نہیں تھے، بلکہ کئی امور قابلِ اشکال بھی تھے، اس اجمال کی تفصیل آنجناب نے اپنے خط میں بطور تقریری اقتباس کے نقل فرمائی ہے۔

بلاشبہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے فکرمند تھے، وہ بینکوں کی اصلاح واسلام کاری کے لیے کوشاں بھی رہے، اجتہادِ قدیم پر اجتہادِ جدید بھی آپ کا موضوع رہا، تمدنِ جدید کی تباہ کاریوں سے اُمت کی حفاظت بھی آپ کا مشغلہ رہا، مغرب اور مغرب زدہ طبقے سے علمی وقلمی نبرد آزمائی بھی آپ کا معمول تھا، تحقیق اور تجدیدِ فقہ کے نام پر اسلام کا ''جدید ایڈیشن'' تیار کرنے والے تحقیقاتی اداروں سے ہمیشہ آپ محاذ آراء بھی رہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ اس موضوع پر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ماہنامہ ''بینات'' میں اداریے لکھے، بلکہ اس کے علاوہ متعدد مضامین ومقالات بھی تحریر فرمائے تھے، جو بحمد اللہ! محفوظ بھی ہیں اور موجود بھی۔

مزید برآں ان ہی مقاصد کے لیے آپ نے ''مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ'' بھی بنائی تھی، اس مجلس کی تاریخی روئیداد، تحقیقی اُصول اور مسائلِ جدیدہ سے بحث ومباحثہ کے بنیادی قواعد کا بیان بھی بڑی تفصیل کے ساتھ علمی وتاریخی دستاویزات کے طور پر حضرت کے ادارے میں بحمد اللہ! موجود اور محفوظ ہے۔ بالخصوص بینک کے سود، انشورنس یا اس نوعیت کے جدید کہلانے والے دیگر مسائل کے حل کے لیے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہیں مختصر اور کہیں طویل، اُصول ومبادی ذکر فرمائے ہیں، ان اصول ومبادی کی موجودگی میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے معاشی افکار یا بینک کاری تصور کے بارے میں کسی قسم کے خلجان کے بغیر صحیح رائے قائم کرنا بہت ہی آسان ہے۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر فرمودہ یہ اُصول جب خود حضرتؒ کے قلم سے دستیاب ہیں تو ہمیں براہِ راست ان تحریروں سے استفادہ کرلینا چاہیے، ان تحریروں میں حضرت کا موقف، نظریہ اور تصورِ بینک کاری خوب واضح انداز میں لکھا ہوا ہے۔ اگر حضرتؒ کی یہ واضح تحریریں سامنے ہوں تو اجتہادِ جدید، مسائلِ جدیدہ، جدت وقدامت، تنگ نظری ووسعت نظری اور جدیدیت واباحیت کے حوالے سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے رجحانات وخیالات کی بابت رائے قائم کرنے میں کوئی دشواری ہوگی اور نہ ہی کسی کو تشویش ہوگی۔ اگر کہیں خلجان، نسیان یا غلط فہمی ہو تو اس کا ازالہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ حضرتؒ سے متعلق آپ کے اشکال جیسا اشکال حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں بھی پیش آیا تھا، جب ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے بعض لوگوں نے حضرتؒ کی کسی تقریر کو اپنی تحقیقات وتجدیدات کی تائید قرار دیا تھا، اس پر حضرتؒ نے خود اس کا جواب بھی دیا تھا، وہ تفصیلی ارشاد اور اس نوعیت کے دیگر ارشادات بھی کسی تفصیلی نشست میں عرض کریں گے، یہاں اختصار کے ساتھ آپ کی تشویش سے متعلق صرف چند ارشادات عنوانات کے اضافے کے ساتھ پیشِ خدمت ہیں، ملاحظہ ہوں:

فقہِ اسلامی کا موجودہ ذخیرہ کافی ہے، اجتہادِ مستقل کی ضرورت نہیں

ا:...... ''فقہِ اسلامی کا یہ ذخیرہ ہمارا بڑا قیمتی سرمایہ ہے اور جہاں اس کی حفاظت کی ضرورت ہے ساتھ ہی ساتھ اس پر عمل کرنا اور اس سے منتفع ہونا بھی ہمارا فرض ہے۔ منتفع ہونے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جدید تمدن نے جو بہت سے جدید مسائل پیدا کردیے ہیں، اب اسی فقہِ اسلامی کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرنا چاہیے۔ اس سرمایہ کے ہوتے ہوئے اُمت کو نہ جدید مستقل اجتہاد کی ضرورت ہے اور نہ اس کا امکان۔ اس عظیم الشان ذخیرہ میں بحث وتلاش اور غور وخوض کے بعد جدید مسائل کے حل کرنے کا بہت سامان مل جائے گا، ورنہ زیادہ سے زیادہ بعض جزوی مسائل میں علماءِ امت کو ان ہی کے بتائے ہوئے اُصولوں پر جدید اجتہاد کی ضرورت ہوگی۔''

دشواری، ابتلاءِ عام، عمومِ بلویٰ کے پیشِ نظر فقہ حنفی سے عدول کیا جاسکتا ہے، مگر مذاہب کی ترتیب اور تتبعِ رخص وتلفیق سے احتراز کی شرط کے ساتھ

۲:...... ''اگر مسئلہ مطلوبہ سب فقہاء کے ہاں ملتا ہے، لیکن حنفی مذہب میں دشواری ہے اور بقیہ مذاہب میں نسبتاً سہولت ہے اور عوام کا عام ابتلاء ہے تو اخلاص کے ساتھ جماعتِ اہلِ علم غور کرے، اگر ان کو یقین ہوجائے کہ عمومِ بلویٰ کے پیشِ نظر عصرِ حاضر میں دینی تقاضا

سہولت وآسانی کا مقتضی ہے تو پھر مذہبِ مالکؒ، مذہبِ شافعیؒ، مذہبِ احمدؒ بن حنبل کو علی الترتیب اختیار کر کے اور اس پر فتویٰ دے کر فیصلہ کیا جائے۔

ہمارے عصرِ حاضر کے اکابر نے فسخِ نکاح کی مشکلات کو اسی طرح حل کیا ہے اور متأخرین حنفیہ نے ''مفقودُ الخبر '' میں بھی ایسا ہی کیا ہے، البتہ تلفیق سے احتراز کرنا ضروری ہوگا اور ''تتبُّعِ رُخص'' کو مقصد نہ بنایا جائے گا۔''

موجودہ فقہی ذخیرہ کافی ہے، اجتہادِ جدید اور تتبُّعِ رخص پر قوم کو آمادہ کرنا تدبیرِ طفلانہ ہے

۳:...... ''جو فریضہ علماء امت کے ذمہ ایسے حالات میں عائد ہوتا ہے' ان سے سبکدوش ہوجائیں۔ نہ جدید اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہے نہ ''تتبُّعِ رُخص'' پر قوم کو آمادہ کرنا ہے، نہ ترکِ تقلید کی بنیاد رکھنا ہے، بلکہ یہ سمجھنا ہے کہ ''قرآن وسنت'' اور اس کے بعد ''فقہ اسلامی'' اور ''تفقہ فی الدین'' کے ذریعہ ساری مشکلات حل ہوسکتی ہیں اور فقہاءِ اسلام اور فقہ اسلامی سے بے نیاز ہوکر دینِ اسلام کی حفاظت کی تدبیر طفلانہ خیال ہے۔ فقہاء کرام نے دین کی بڑی خدمت کی ہے، ایک ہزار برس کے بعد بھی دنیا ان کی جلیل القدر حیرت انگیز خدمات سے مستغنی نہیں ہوسکتی، بلکہ قیامت تک ان کی منت پذیر رہے گی۔''

(بینات: ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ مطابق ستمبر ۱۹۶۳ء۔ جلد: ۲، عدد: ۴، ص: ۱۹۴ تا ۱۹۸)

مسائلِ شرعیہ کے نام پر ''تتبُّعِ رُخص'' اور ''تلفیق بین المسائل'' پر قناعت دھوکہ ہے اور شریعت کا کھلواڑ ہے

۴:...... ''بہرحال اب بھی ہم ان تمام زیرِ بحث مسائل میں اپنا نظریہ پیش کرنے کے لیے تیار ہیں اور آپ سے اتنی توقع ضرور رکھتے ہیں کہ مسائلِ شرعیہ میں صرف ''رخصتوں'' کا تتبُّع اور ''تلفیق بین المسائل'' پر قناعت کر کے اس دھوکہ میں نہ پڑ جایئے کہ ہم نے شریعت کا دامن پکڑ رکھا ہے اور اس طرح دینِ مبین کو ''کھیل بنالینے'' کی غلطی کے مرتکب نہ ہوجایئے، أعاذنا اللّٰہ منہ۔'' (بینات: صفر ۱۳۸۴ھ مطابق جولائی ۱۹۶۴ء، جلد: ۴، شمارہ: ۲، ص: ۷۵ تا ۹۳)

پیش آمدہ مسئلے کے لیے قولِ شاذ (مرجوح رائے) اور خلافِ اجماع کو لینا' اجتہادِ جدید اور مذاہبِ اربعہ سے خروج ہے

۵:...... ''جب کسی پیش آمدہ مسئلہ کا حل مذاہبِ اربعہ میں سے کسی میں موجود ہو، بشرطیکہ وہ رائے شاذ اور اجماعِ امت کے خلاف نہ ہو تو ہمیں اسی کو اختیار کرنا ہوگا، تاکہ اجتہادِ جدید

اور مذاہبِ مجتہدین سے خروج کی ضرورت نہ رہے۔‘‘

شدید اضطرار کے بغیر فقہ حنفی سے عدول نامعقول ہے

۶: ......’’چونکہ ہمارے ملک میں حنفی مسلک رائج ہے، اس لیے بدون شدید اضطرار کے بلاوجہ اس سے نکلنا اور ’’رائے عامہ‘‘ کو خواہ مخواہ پریشان کرنا غیر معقول ہوگا۔‘‘

حلِ مسائل کا ایسا طرزِ عمل جو نصوص کو غیر معمول بہ بنادے اور خلافِ اجماع ہو، اس کی آخری منزل الحاد وتحریف ہے

۷: ......’’جن مسائل میں نصوصِ قطعیہ موجود ہوں، وہ ہر دور میں دائرۂ اجتہاد سے خارج ہیں، اجتہاد صرف ان مسائل تک محدود ہے جو نہ منصوص ہوں نہ اجماعی، اس لیے اس کی گنجائش نہیں کہ کسی حکم کی علت، مصلحت یا حکمت تراش کر اُسے ایسے طور پر مدارِ حکم قرار دے لیا جائے کہ اس سے نص کا غیر معمول بہ ہونا یا اجماعِ امت کا باطل ہونا لازم آئے۔ یہ طرزِ عمل تقریباً الحاد وتحریف سے جاملتا ہے اور بہت سے لوگ جہل یا عناد کی بنا پر اس کے مرتکب ہیں۔‘‘

حلِ مسائل میں مذاہبِ فقہاء سے چھانٹ چھانٹ کر رخصتیں تلاش کرنا ’’خروج عن الدین‘‘ کے مرادف ہے

۸: ......’’مذاہبِ مختلفہ کو ملانے (تلفیق) اور اضطراری حالت کے بغیر مذاہبِ فقہاء سے چھانٹ چھانٹ کر رخصتوں کو تلاش کرنے سے پرہیز کیا جائے، کیونکہ یہ دین ہی سے نکل جانے کے مرادف ہے۔‘‘

تمدنِ جدید کے تقاضوں کو اضطرار کے بہانے‘ اسلامی معاشرے میں فٹ کرنا محرمات کا اسلامی متبادل نہیں ہے

۹: ......’’جدید تمدن کی بدولت غیر اسلامی ممالک میں بیشتر ایسے قوانین رائج ہیں جو روحِ اسلام کے منافی اور قطعیاتِ اسلامیہ سے ٹکراتے ہیں، انہیں ’’اضطرار‘‘ کے بہانے سے اسلامی معاشرے میں جوں کا توں فٹ نہ کیا جائے، بلکہ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے اسلام میں اس کا جو ’’بدل‘‘ موجود ہے‘ اسے اختیار کیا جائے، مثلاً: ’’بینک کا سود‘‘، ’’بیمہ‘‘ اور ’’کمیشن ایجنسی‘‘ کا مسئلہ ہے کہ اسلام میں اس کا بدل ’’شرکت‘‘، ’’قراض‘‘ اور ’’کفالت‘‘ وغیرہ کی صورت میں موجود ہے، جس کے ہوتے ہوئے ان حرام امور کے ارتکاب کی ضرورت نہیں رہتی۔

اشکال کی جڑ (بنیاد) یہ ہے کہ ہم غیر اسلامی قوانین کو ان میں رتی بھر تبدیلی کیے بغیر اسلامی اُصول پر منطبق کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور جب وہ فٹ نہیں ہوتے تو گمان کرلیا جاتا ہے کہ اسلام معاذ اللہ! جدید دور کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔‘‘

نئے مسائل کے حل کے لیے الجاء واضطرار اور عیش پرستی وزراندوزی کے درمیان شرعی فرق کو نظر انداز کرنا مضحکہ خیزی اور ماتم انگیزی ہے

۱۰:...... ’’الجاء واضطرار کے درمیان اور عیش پرستی، زراندوزی اور امیر سے امیر تر بننے کی حرص کے درمیان جو نمایاں فرق ہے، اُسے ملحوظ رکھنا چاہیے، ایک بھوکا ننگا فاقہ کش ہے، جسے قوت لا یموت بھی میسر نہیں اور ایک وہ امیر کبیر ہے جس کا گھر طرح طرح کے اسبابِ تنعم سے پٹا پڑا ہے، مگر اس کی حرص کی جہنم کو صبر نہیں، یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا کہ دونوں کا حکم یکساں قرار دیا جائے، پہلی صورت اضطرار کی ہے (جس میں سدِ رمق تک مردار کھانے کی بھی اجازت ہے) اور دوسری اسراف وتبذیر کی (جس کے لیے مجبوری کا بہانہ مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے) اور کم فہمی (اسی طرح کے) مضحکہ خیز لطیفوں بلکہ ماتم انگیز حادثوں کو جنم دیا کرتی ہے، حق تعالیٰ رحم فرمائے اس پر جو انصاف سے کام لے۔‘‘

(بینات: محرم الحرام ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۹۶۸ء، جلد: ۱۲، شمارہ: ۱، ص: ۱۹ تا ۳۹)

حضرت محدث العصر شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات کی روشنی میں ان کے ’’بیان کردہ موقف‘‘ کا جائزہ لیا جائے تو اس پر اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ ’’بیانِ مذکور‘‘ میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے مکمل طور پر نقل نہیں ہوسکی، بلکہ ادھوری رہ گئی ہے۔ حضرت بنوریؒ کے ارشادات کے مطابق بینک کاری کی اصلاح کے دوران مذاہبِ اربعہ متبوعہ سے استفادے کے لیے حضرت بنوریؒ کے ہاں کم از کم پانچ سلبی اور پانچ ایجابی شروط کا لحاظ لازمی قرار دیا گیا تھا۔

ایجابی شرطیں

۵/ ایجابی شرطیں یہ ہیں:

۱:...... دشواری
۲:...... ابتلاء عام
۳:...... عمومِ بلویٰ کا تحقق
۴:...... اضطرار اور عیش پرستی کے درمیان فرق کا لحاظ
۵:...... مذاہبِ اربعہ کی ترتیبِ زمانی کی رعایت۔

سلبی شرطیں

جبکہ پانچ سلبی شرطیں یہ بتائی گئی تھیں:

۱:......اجتہادِ جدید نہ ہو ۲:......تتبُّعِ رُخص

۳:......تلفیق بین المسائل ۴:......قولِ شاذ

۵:......خلافِ اجماع (قولِ مرجوح) کا محظور نہ پایا جاتا ہو۔

اگر کہیں یہ ایجابی وسلبی شرطیں ملحوظ نہ رکھی گئی ہوں تو وہاں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے نظریے کے مطابق مذاہبِ متبوعہ سے بے دریغ اور بلا امتیاز استفادے کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔

باقی جہاں تک حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے دوسرے ارشاد کا تعلق ہے، غالبًا یہ ارشاد' جناب شیخ ارشاد احمد مرحوم کے پیش کردہ نظامِ بینک کاری سے متعلق ہے، اس نظام میں کیا خوبیاں اور خامیاں تھیں؟! اس کی پڑتال کے لیے موصوف کی تحریر کردہ کتاب ''بلاسود بینک کاری'' کے نام سے دستیاب ہے، اس کی عملی شکل اور جزوی سقم سے قطع نظر بینک کاری کی نظریاتی اور فکری بنیادیں تقریباً وہی ہیں جن کی بنیاد پر ہمارے اکابر' بینکوں کی اصلاح واسلام کاری کے متمنی وخواہاں تھے، اور وہ بنیادیں ہیں: ''سودی بینک کاری کی نقالی کی بجائے شرکت ومضاربت پر مبنی تجارتی ادارے کا قیام'' اگر اس پوری کتاب کو کھنگالا جائے تو ''میزان بینک واخواتہا'' کے طرقہائے تمویل (نام نہاد مرابحہ، اجارہ اور شرکتِ متناقصہ) کا دور دور تک اشارۃً، کنایۃً یا صراحۃً نام ونشان بھی نظر نہیں آئے گا۔

اس وضاحت سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اکابر بالخصوص حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بینک کاری کی اصلاح واسلام کاری کا نظریہ، شرکت ومضاربت پر مبنی حقیقی تجارتی ادارے کے گرد گھومتا تھا اور اسی نوعیت کی کاوشوں کو وہ سراہا کرتے تھے، جب کہ ہم اپنے معاصر علمائے کرام کے جن ''بینک کاری ماٰثر'' کو قابلِ تنقید سمجھتے ہیں' وہ بزرگوں کے تصور سے جدا دکھائی دیتے ہیں۔ بزرگوں کے ہاں تو بینک کا متبادل ایسا ادارہ سمجھا جاتا تھا جو قرضوں کے کاروبار میں بینک کی نقالی کی بجائے حقیقی تجارت کے ذریعے حقیقی نفع اندوزی کرکے نفع کی منصفانہ تقسیم کرے، ادھر تو معاملہ اس کے برعکس دکھائی دے رہا ہے۔ یہاں روایتی بینک کاری کے سودی قرضے کو اپنے تمام ظواہر وخصائص کے ساتھ ''مرابحہ مؤجلہ'' کا نام دیا گیا ہے اور روایتی لیزنگ کو ''کار اجارہ'' جبکہ ہاؤس فائنانس کی رائج الوقت شکل کو ''شرکتِ متناقصہ'' قرار دیا گیا ہے۔

پس بینکوں کی اسلام کاری کی حالیہ شکلیں اور ان شکلوں میں اسلامی رنگ بھرنے کے لیے اپنائے گئے طور طریقے اکابر کی مطبوعہ تحریروں میں ہمیں چونکہ نہیں ملتے، اس لیے بینک کاری کی مروجہ

اسلام کاری کو اکابر کی طرف منسوب کرنا ہمیں قابلِ اشکال لگتا ہے، اور ہم اکابر کے نسبت بردار ہونے کے ناطے ماہ نامہ ''بینات'' میں وقتاً فوقتاً نام نہاد اسلامی بینک کاری اور انشورنس کے تکافلی نام کے بارے میں کچھ نہ کچھ عرض کرتے رہتے ہیں۔

بنا بریں اگر اکابر نے اپنے دور میں بینکوں کی اصلاحی فکر و کاوش کی جہاں تحسین وتشجیع فرمائی ہو تو اسے بینکوں کی اسلام کاری کی حالیہ مسخ شدہ شکل کی بجائے ان کے اپنے دور کے بینک کاری تصور کے ساتھ ملحق کرنا زیادہ صاف، شفاف اور سہل ہے۔

باقی جہاں تک بزرگوارِ گرامی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کے ذکر کردہ بیان کا تعلق ہے، ان کی تغلیط وتردید کی چنداں حاجت نہیں، جیسا کہ اوپر عرض کر چکے ہیں کہ ان کی آدھی مجمل بات' تاویل وتفصیل کے ساتھ درست قرار دی جاسکتی ہے، وہ یوں کہ بلاشبہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بینک کاری کی اصلاح واسلام کاری کے لیے فکرمند وکوشاں ضرور تھے، مذاہبِ متبوعہ سے استفادے کی گنجائش بھی بتاتے تھے، مگر ان قیود، شروط اور تفاصیل کے ساتھ جو درج بالا اقتباسات میں درج ہیں، اگر حضرت اقدس مخدوم مکرم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے بیان میں حضرت بنوریؒ کی تحریر کی قیود وشروط بیان کرنے سے رہ گئی ہوں تو اسے اُن کی بزرگی کے احترام میں اس نسیان وذہول کا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے، جس کا اظہار خود حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے بعض بیانات میں ملتا ہے، اور مختلف مسائل میں اس کا ظہور بھی ہوا ہے، جو کسی بھی طور پر قابل نقد یا مورِدِ الزام نہیں بن سکتا، کیونکہ عزم وجزم کے بغیر خطأ ونسیان، عصمتِ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے منافی نہیں ہے تو اسے ولایتِ اولیاء پر کیسے اثر انداز کہا جاسکتا ہے؟ بلکہ ایسے سہو ونسیان کے بعد بھی نبی کی عصمت اور ولی کی ولایت بے غبار ہی رہتی ہے، اصطفائی مقام اور اجتبائی رتبے پر حرف گیری ممنوع ہی رہتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''إِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ إِبْرَاھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرَانَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ۔'' (آل عمران:۳۳)

''وَلَقَدْ عَھِدْنَا إِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا۔'' (طٰہٰ:۱۱۵)

''فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ إِذْ نَادٰی وَھُوَ مَکْظُوْمٌ . لَوْلَا أَنْ تَدَارَکَہٗ نِعْمَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَھُوَ مَذْمُوْمٌ. فَاجْتَبَاہُ رَبُّہٗ فَجَعَلَہٗ مِنَ الصَّالِحِیْنَ۔'' (القلم:۴۸، ۴۹، ۵۰)

فقط والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کتبہ

بندہ: رفیق احمد بالاکوٹی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

۱۵؍رجب المرجب ۱۴۳۹ھ

’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ اور اُن کا حکم

مولانا انعام اللہ
فاضلِ جامعہ و چیف ریسرچ آفیسر اسلامی نظریاتی کونسل

(آٹھویں قسط)

چوتھا مسلک، وضاحت اور دلائل

’’ثبوتِ شرعی کی بنیاد پر اپنے نبی کی شریعت کی حیثیت سے اتباع لازم ہے۔‘‘

تیسرا اور چوتھا مسلک ایک حیثیت سے مشترک ہیں اور ایک حیثیت سے مختلف۔ اشتراک اس حیثیت سے ہے کہ ’’شرائع من قبلنا‘‘ کی پیروی ہم پر واجب ہے، لیکن اس حیثیت سے کہ وہ ہمارے نبی کی شریعت بن گئی ہے۔ فرق اس حوالے سے ہے کہ تیسرے مسلک کے مطابق ’’شرائع من قبلنا‘‘ ہمارے لیے مطلقاً واجب التعمیل ہیں۔ کسی بھی ذریعے سے معلوم ہو جائے کہ یہ حکم پچھلی شریعتوں کا ہے، ہم اس کی پیروی کے پابند ہیں، الا یہ کہ وہ حکم منسوخ ہو جائے۔ جبکہ چوتھے مسلک کے مطابق ہم اس وقت اس کی پیروی کے پابند ہیں، جب معتبر شرعی طریقے سے ثابت ہو جائے کہ یہ حکم شرائع سابقہ کا حکم ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ’’والصّحیح عندنا أنّ ما قصّ اللّٰہ تعالٰی منھا علینا من غیر إنکارٍ أو قصّہٗ رسولُ اللّٰہ – صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم – من غیر إنکارٍ فإنّہٗ یلزمنا علٰی أنّہٗ شریعۃ رسولنا –علیہ السّلام–.‘‘(۱)

> ’’ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو پچھلی شریعت کے احکام انکار کے بغیر ہمارے سامنے بیان فرمائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کے بغیر بیان فرمائے، تو ہمارے اوپر اس حیثیت سے ان کی پیروی لازم ہے کہ وہ ہمارے رسول علیہ السلام کی شریعت ہے۔‘‘

بالفاظِ دیگر کسی دلیلِ شرعی (آیتِ قرآنیہ یا حدیثِ نبویہ) سے جن احکام کا شرائعِ سماویہ سابقہ میں سے ہونا ثابت ہو، تو ناسخ صریح کے ظہور تک اس کی اتباع ہم پر لازم ہوگی، لیکن اس حیثیت

سے کہ وہ ہمارے نبی کی شریعت بن گئی ہے۔ پس جس حکم کا کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے حکمِ شرعی ہونا بغیر انکار و بغیر دلیلِ نسخ کے ثابت ہو جائے تو صرف وہی ہمارے لیے حکم شرعی ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جب اس کا حکم شرعی ہونا ہماری کتاب (قرآن مجید) اور ہماری سنت وحدیث پر منحصر ہے، تو ہمارے لیے ہماری ہی شریعت کے ایک حکم ہونے کی حیثیت سے واجب الاتباع اور لازم العمل ہے۔ اور یہی اکثر مشائخ وائمہ احناف کا مسلک ہے، جن میں ابومنصورؒ، قاضی امام ابوزیدؒ، شیخینؒ اور اکثر متاخرین کے نام نمایاں ہیں۔ صاحبِ کشف الاسرار لکھتے ہیں:

''ذهب أكثرُ مشايخنا منهم الشّيخ أبو منصور والقاضي الإمام أبو زيد والشّيخان وعامّة المتأخّرين – رحمهم اللّٰه – إلٰی أنّ ما ثبت بكتاب اللّٰه تعالٰی أنّهٗ كان من شريعة من قبلنا أو ببيان من رسول اللّٰه – صلّی اللّٰه عليه وسلّم – يلزمنا العمل به علٰی أنّهٗ شريعة نبيّنا ما لم يظهر ناسخهٗ۔''(۲)

''ہمارے اکثر مشائخ، جن میں ابومنصورؒ، قاضی امام ابوزیدؒ، شیخینؒ اور اکثر متاخرین کے نام نمایاں ہیں، نے یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ کتاب اللہ یا سنت رسول سے جس حکم کا شرائع سابقہ میں سے ہونا ثابت ہو جائے، تو ناسخ ظاہر ہونے تک اس حیثیت سے اس پر عمل کرنا ہمارے اوپر لازم ہے کہ وہ ہمارے نبی کی شریعت ہے۔''

چوتھے مسلک کے دلائل

چوتھا موقف، یعنی: ''ثبوتِ شرعی کی بنیاد پر شرائع سابقہ پر عمل کرنا لازم ہے، لیکن شریعتِ محمدیہ کی حیثیت سے'' کی بنیاد حسبِ ذیل آیاتِ کریمہ اور احادیثِ نبویہ ہیں:

قرآن مجید کی پہلی دلیل

''وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيّيْنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ۔'' (آل عمران:۸۱)

''اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم، پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتادے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے۔''

استدلال کا خلاصہ

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آیتِ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس آیت کریمہ میں بتایا گیا کہ حق تعالیٰ نے خود پیغمبروں سے بھی یہ پختہ عہد لے چھوڑا

ہے کہ جب تم میں سے کسی نبی کے بعد دوسرا نبی آئے تو ضروری ہے کہ پہلا نبی پچھلے کی صداقت پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے۔ اگر اس کا زمانہ پایا تو بذاتِ خود بھی اور نہ پائے تو اپنی اُمت کو پوری طرح ہدایت وتاکید کر جائے کہ بعد میں آنے والے پیغمبر پر ایمان لاکر اس کی اعانت ونصرت کرنا کہ یہ وصیت کر جانا بھی اس کی مدد کرنے میں داخل ہے۔ اس عام قاعدہ سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد بلا استثناء تمام انبیاء سابقین سے لیا گیا ہوگا، اور انہوں نے اپنی اپنی امتوں سے یہی قول وقرار لیے ہوں گے۔ حضرت علی وابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے منقول ہے کہ اس قسم کا عہد انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا۔'' (۳)

شمس الائمۃ بزدوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

''یہ آیتِ کریمہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شرائع میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام شریعتوں اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے اصل اور متبوع ہیں اور تمام شرائع واصحاب الشرائع انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں، وجوبِ اتباع کی حیثیت سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بمنزلہ اُمتی کے ہیں۔ اگلے پچھلے خلائق کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ رأس وقلب کے ہیں، اور سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیثیت ثابت ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شرائع سابقہ کی پیروی کا پابند ٹھہرانا اس بات کو مستلزم ہے کہ آپ انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تابع ہوں، متبوع نہ ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اُمت کے افراد میں سے ایک فرد اور اُمتی ہوں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی نہ ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ان کے مقام سے کمتر ہو، افضل نہ ہو، (نعوذ باللہ!) جبکہ ان باتوں کا کوئی بھی قائل نہیں، اس لیے کہ ان کو صحیح ماننے سے لازم آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متبوعیت کے اعلیٰ مقام سے تابعیت کے ادنیٰ مقام پر لایا جائے، اور داعیِ انسانیت کے مقامِ بلند سے مدعویت کے فروتر مقام کی طرف لایا جائے جو صحیح اور درست نہیں۔'' (۴)

اشکال

اس تشریحی وتوضیحی نظریئے پر یہ اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام سب کے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزرے ہیں، تو بعد میں آنے والے گزرے ہوئے لوگوں کے لیے کیسے اصل اور متبوع بن سکتے ہیں؟

جواب

کسی کا زمانے کے لحاظ سے پہلے ہونا اس کے تابع ہونے سے مانع نہیں، جس طرح کسی کا زمانے کے لحاظ سے بعد میں ہونا اس کے متبوع ہونے سے مانع نہیں۔ تقدمِ زمانی کے باوجود تابع بننے کی نظیر نمازِ ظہر کی سنتیں ہیں، جو فرائض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں اور فرائض بعد میں ادا کیے جاتے ہیں، اس کے باوجود سنتیں تابع ہیں، اور فرائض اصل اور متبوع، اس لیے تمام انبیاء کرام علیہم السلام تقدمِ زمانی کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں۔ صاحب کشف الاسرار نے اس نظریئے کو محسوس مثال کے ذریعے ایک اور تعبیر اور دوسرے زاویے سے سمجھایا ہے، فرماتے ہیں:

’’فإنّ المقصود من فطرة الخلق إدراكهم سعادة القرب من الحضرة الإلٰهيّة ولايمكن ذٰلک إلّا بتعريف الأنبياء – عليهم السّلام – فكانت النُّبوّة مقصودة بالإيجاب والمقصود كمالها لا أوّلها، وإنّما يكمل بحسب سنّة اللّٰه جلّ جلالهٗ بالتّدريج فتمهّد أصل النّبوّة بآدم ولم يزل تنمو وتكمل حتّى بلغت الكمال بمحمّد – صلّى اللّٰه عليه وسلّم – فكان تمهيد أوائلها وسيلة إلى الكمال كتأسيس البناء، وتمهيد أصول الحيطان وسيلة إلى كمال صورة الدّار الّتى هى غرض المهندسين ولهٰذا كان خاتم النّبيّين، فإنّ الزّيادة على الكمال نقصان، فثبت أنّهٗ هو الأصل فى النّبوّة والشّريعة، وغيرهٗ بمنزلة التّابع لهٗ. ‘‘(۵)

’’مخلوق کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب حاصل کرنے کی سعادت سے سرفراز ہو جائیں، اور یہ مقام انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے بہرہ ور ہونے کے بغیر ممکن نہیں۔ پس مقصدِ تخلیق پورا کرنے کے واسطے نبوت بھی مقصود ٹھہری، لیکن محض نبوت نہیں، بلکہ کمالِ نبوت، جو سنۃ اللہ اور عادتِ خداوندی کے مطابق تدریجاً کمال تک پہنچی۔ گویا نبوتِ آدم تمہید تھی، جو مسلسل بڑھتی اور مراحلِ کمال طے کرتی رہی، یہاں تک کہ نبوتِ محمدیہ کے ساتھ کمال کے آخری مرتبے تک پہنچ گئی، پس ابتدائی نبوتیں کمالِ نبوت تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ تھیں، جیسے: عمارت کی بنیادیں اور باغ کے اندر درختوں کی جڑیں عمارت اور باغ کی آخری اور کامل ومکمل شکل کے لیے وسیلہ اور ذریعہ ہوتی ہیں، جو انجینئرز اور باغبان کے ذہن میں موجود ہوتی ہیں، جس کے بعد کمال کا کوئی درجہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا گیا، اس لیے کہ کمال تک پہنچنے کے بعد اضافہ نقصان سمجھا جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نبوت وشریعت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہیں، اور دیگر نبوتیں تابع ہیں۔‘‘

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تمام انسانیت کے لیے ہے، جس پر کئی نصوص دلالت کررہی ہیں، جو آگے بیان ہوں گی۔

قرآن مجید کی دوسری دلیل

''وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ أَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ۔'' (السبأ: ۲۸)

''اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو، لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے۔''

استدلال کا خلاصہ

اس آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگلے پچھلے تمام انسانوں کے لیے نبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے انسانوں کے لیے واجب الاتباع ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزرنے والوں کے لیے بایں معنی واجب الاتباع ہے کہ اگر ان میں سے کوئی دنیا میں آئے گا تو شریعتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی پیروی کا پابند ہوگا۔ صاحب کشف الأسرار لکھتے ہیں:

''أنّہٗ مبعوث إلٰی جمیع النّاس حتّی وجب علی المتقدّمین والمتأخّرین اتّباع شریعتہٖ فکأن الکلّ تابعاً لہٗ۔'' (۶)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کی طرف مبعوث تھے، یہاں تک کہ اگلے پچھلوں سب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی واجب تھی، پس سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تھے۔''

آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال

حافظ ابن کثیرؒ

''یقول تعالٰی لعبدہٖ ورسولہٖ محمّد، صلوات اللّٰہ وسلامہٗ علیہ ''وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ'' أی: إلّا إلٰی جمیع الخلق من المکلّفین، کقولہٖ تعالٰی ''قُلْ یَا أَیُّھَا النَّاسُ إِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ إِلَیْکُمْ جَمِیْعًا .'' (الأعراف:۱۵۸) ''تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا'' (الفرقان: ۱) قال محمّد بن کعب فی قولہٖ: ''وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ'' یعنی: إلی النّاس عامّة. وقال قتادة فی ھذہ الآیة: أرسل اللّٰہ محمّدًا صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم إلی العرب والعجم.— عن عکرمة قال: سمعتُ ابنَ عبّاسؓ یقول: إن اللّٰہ فضّل محمّدًا صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم علٰی أھل السّماء وعلی الأنبیاء. قالوا: یا ابن عبّاس! فیم فضّلہ اللّٰہ علی الأنبیاء ؟ قال: إنّ اللّٰہ قال: ''وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ''، وقال للنّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: ''وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ''، فأرسلہ اللّٰہ إلی الجنّ والإنس. وھذا الّذی قالہ ابن عبّاسؓ قد ثبت فی الصّحیحین رفعہٗ عن

جابرؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: ’’أعطیتُ خمسًا لم یعطھنّ أحد من الأنبیاء قبلی، وکان النّبیّ یبعث إلی قومہٖ، وبعثت إلی النّاس عامّۃ.‘‘ وفی الصّحیح أیضًا أنّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال: ’’بعثتُ إلی الأسود والأحمر‘‘ قال مجاھد: یعنی: الجنّ والإنس. وقال غیرہٗ: یعنی: العرب والعجم. والکلّ صحیح۔‘‘(۷)

’’اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ سے ارشاد فرماتے ہیں: ’’وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ‘‘..... ’’ہم نے آپ کو مخلوق میں سے تمام مکلفین کی طرف مبعوث فرمایا‘‘ جیسے ارشاد فرمایا: ’’قُلْ یَا أَیُّھَا النَّاسُ إِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ إِلَیْکُمْ جَمِیْعًا.‘‘ (الأعراف:۱۵۸) ’’تو کہہ اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف‘‘..... ’’تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا‘‘ (الفرقان:۱) ’’بڑی برکت ہے اس کی جس نے اُتاری فیصلہ کی کتاب اپنے بندہ پر، تاکہ رہے جہان والوں کے لیے ڈرانے والا۔‘‘ محمد بن کعب سورہ سبأ کی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ’’یعنی تمام لوگوں کی طرف۔‘‘ قتادہؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو عرب وعجم کی طرف مبعوث فرمایا۔ عکرمہؒ سے روایت ہے، فرمایا: میں نے ابن عباسؓ کو سنا، فرما رہے تھے: اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو آسمان والوں اور انبیاء کرام علیہم السلام پر برتری دی۔ شاگردوں نے دریافت کیا: انبیاء پر کس حوالے سے فضیلت دی؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ‘‘ اور نبی کریم ﷺ سے فرمایا: ’’وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ‘‘ پس اللہ نے آپ کو جن وانس کی طرف بھیجا ہے۔ ابن عباسؓ نے جو ارشاد فرمایا، صحیحین میں حضرت جابرؓ کی مرفوع حدیث میں ثابت ہے، فرمایا: رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے پانچ خصوصیتوں سے نوازا گیا جو مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو نہیں دی گئی تھیں۔ ان میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ حدیث صحیح میں بھی فرمایا: مجھے کالے اور گورے کی طرف بھیجا گیا ہے۔ مجاہدؒ نے معنی بیان کیا کہ جن وانس کی طرف۔ بعض نے کہا: عرب وعجم کی طرف۔ دونوں باتیں درست ہیں۔‘‘

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ

’’والآیۃ علیہ أظھر فی الاستدلال علی عموم رسالتہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھی فی ذٰلک کقولہٖ تعالٰی: ’’قُلْ یَا أَیُّھَا النَّاسُ إِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ إِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔‘‘(۸)

’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے عموم پر استدلال کرنے میں آیتِ کریمہ بالکل واضح اور صریح ہے اور اس پر دلالت کرنے میں یہ سورۂ اعراف کی ’’قل یا أیها الناس‘‘ جیسی ہے۔‘‘

علامہ ابن عاشور رحمۃ اللہ علیہ

’’وفی هذه الآیة إثبات رسالة محمد صلی اللّٰه علیه وسلم علٰی منکریها من العرب وإثبات عمومها علٰی منکریها من الیهود۔‘‘(۹)

’’اس آیت کریمہ میں عرب منکرین رسالت کے مؤقف کے خلاف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات ہے اور عموم رسالت کے یہودی منکرین کے خلاف رسالت محمدیہ کے عموم کا اثبات ہے۔‘‘

احادیثِ نبویہ سے استدلالِ مذکور کی تائید

آیت کریمہ کی متذکرہ بالا تفسیر کی دلیل وہ احادیث نبویہ ہیں، جن میں یہ مذکور ہے کہ بعثتِ محمدیہ کے بعد اگر سابقہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائیں گے تو شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی پابندی کریں گے، نہ کہ اپنی شریعت کی۔ احادیث ملاحظہ ہوں:

۱:- ’’عن أبی هریرة، أنّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: کیف أنتم إذا نزل فیکم ابن مریم فأمّکم منکم؟ فقلت لابن أبی ذئب: إنّ الأوزاعیّ، حدّثنا عن الزّهریّ، عن نافع، عن أبی هریرةؓ، وإمامکم منکم قال ابن أبی ذئب: تدری ما أمّکم منکم؟ قلت: تخبرنی، قال: فأمّکم بکتاب ربّکم تبارک وتعالی، وسنّة نبیّکم صلّی اللّٰه علیه وسلّم۔‘‘(۱۰)

’’رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریمؑ تمہارے درمیان نزول فرمائیں گے اور تم میں سے کوئی شخص تمہاری امامت کرے گا؟! ولید بن مسلم کہتے ہیں: میں نے اپنے شیخ ابن ابی ذئب سے کہا کہ امام اوزاعیؒ نے ہمیں یہ حدیث یوں نقل کی ہے: ’’وإمامکم منکم‘‘ ..... ’’تمہارا امام تم میں سے ہوگا‘‘۔ فرمایا: جانتے ہو ’’أمّکم منکم‘‘ کا کیا مطلب ہے؟۔ میں نے عرض کیا: آپ بتلا دیجئے۔ فرمایا: تمہارے رب کی کتاب اور نبی کی سنت کے مطابق تمہاری امامت/ پیشوائی کرے گا۔‘‘

روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دو قسم کے الفاظ مروی ہیں: ۱:- ’’وإمامکم منکم‘‘، ۲:- ’’أمّکم منکم‘‘ پہلی قسم کے الفاظ کا معنی متعین ہے، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں بھی امامت کا فریضہ اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہی کا ایک فرد سرانجام دے گا، پھر امامت کے معنی میں دو احتمالات ہیں: ۱:- نماز کی امامت، ۲:- پیشوائی اور حاکمیت۔ لیکن حضرت جابرؓ کی روایت امامتِ صلوٰۃ

کے معنی کو متعین کرتی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ’’**فیقول أمیرھم: تعال صلّ لنا، فیقول: لا، إنّ بعضکم علی بعض أمراء تکرمۃ اللّٰہ ھٰذہ الأمّۃ**‘‘(۱۱)...... ’’مسلمانوں کے امیر کہیں گے: تشریف لائیے، ہمیں نماز پڑھا دیجیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: نہیں، تم آپس میں ایک دوسرے کے امیر ہو۔‘‘ جبکہ دوسری قسم کے الفاظ ’’أمّکم منکم‘‘ میں معنی خاص (امامت نماز) اور معنی عام (پیشوائی) دونوں کا احتمال ہے۔ امامتِ نماز، جس کو حدیث جابرؓ نے تقریباً متعین کر دیا ہے، اور معنی عام کو ابن اُبی ذئب نے ترجیح دی ہے۔ تاہم دونوں احتمالات پر ہمارا مدعا ثابت ہوتا ہے۔ پہلے احتمال میں تو اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا ایک فرد امامت کرے گا، تاکہ اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی عزت افزائی اور اکرام ہو۔ دوسرے احتمال میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآنی احکام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعے اس اُمت کی پیشوائی کریں گے۔ اور یہی مقصود ثابت کرنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد بحیثیت اُمتی ہوگی، نہ کہ بحیثیت نبی ورسول، وھو المطلوب۔‘‘

۲:- ’’**عن ابن المسیّب أنّہ سمع أبا ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ، یقول: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: والّذی نفسی بیدہٖ، لیوشکنّ أن ینزل فیکم ابن مریم حکمًا مقسطًا، فیکسر الصّلیب، ویقتل الخنزیر، ویضع الجزیۃ، ویفیض المال حتّی لایقبلہٗ أحد۔**‘‘(۱۲)

’’فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں ابن مریم اُتریں گے، وہ منصف حاکم ہوں گے، صلیب توڑیں گے اور سور کو مار ڈالیں گے اور جزیہ موقوف کریں گے اور مال کی اس قدر کثرت ہوگی کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔‘‘

۳:- ’’**عن عبد الرّحمٰن بن یزید الأنصاریّ... یقول: سمعت عمّی مجمّع ابن جاریۃ الأنصاریّ یقول: سمعت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یقول: یقتل ابن مریم الدّجّال بباب لدّ۔**‘‘(۱۳)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن مریم دجال کو بابِ لدّ کے پاس قتل کریں گے۔‘‘

ان دونوں احادیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حاکم عادل بن کر آئیں گے، دجال کے خلاف قتال کریں گے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حکمرانی کی اور نہ شریعتِ عیسویہ میں قتال و جہاد کا حکم تھا، اس لیے وہ بموجبِ حکم شریعتِ محمدیہ حکمرانی کریں گے اور قتال فرمائیں گے۔ اسی لیے امام نووی رحمہ اللہ نے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق احادیث کو عنوان دیا ہے: ’’**باب نزول عیسی ابن مریم حاکمًا بشریعۃ نبیّنا محمّد صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم**‘‘ اور حدیث کے الفاظ ’’**حکمًا مقسطًا**‘‘ کی شرح میں فرمایا:

’’(حکماً)أی ینزل حاکماً بہٰذہ الشریعة لاینزل نبیاً برسالة مستقلّة وشریعة ناسخة بل ہو حاکم من حکّام ہٰذہ الأمّة۔‘‘(۱۴)

’’اس شریعتِ (محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے مطابق فیصلے کرنے والے حاکم کی حیثیت سے تشریف لائیں گے، مستقل رسالت اور ناسخِ شریعت نبی کی حیثیت سے تشریف نہیں لائیں گے، بلکہ اس اُمتِ (محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے حکام میں سے ایک حاکم (فیصلے کرنے والے) کی حیثیت سے تشریف لائیں گے۔‘‘

۴:-’’عن جابر رضی اللّٰہ عنہ: ’’ أنّ عمر بن الخطّاب أتی النّبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بکتاب أصابہ من بعض أہل الکتاب، فقال: یا رسول اللّٰہ! إنّی أصبت کتابًا حسنًا من بعض أہل الکتاب، قال: فغضب وقال: أمتہوّکون فیہا یا ابن الخطّاب؟! فوالّذی نفسی بیدہٖ لقد جئتکم بہا بیضاء نقیّة، لا تسألوہم عن شیء فیخبروکم بحقّ فتکذّبوا بہٖ، أو بباطل فتصدّقوا بہٖ، والّذی نفسی بیدہٖ لو کان موسٰی حیّا ما وسعہٗ إلّا أن یتّبعنی۔‘‘(۱۵)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کتاب لے کر حاضر ہوئے، جوانہوں نے اہل کتاب سے حاصل کی تھی، کہنے لگے: یارسول اللہ! میں نے اہل کتاب سے ایک اچھی کتاب حاصل کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے ہوئے اور فرمایا: خطاب کے بیٹے! کیا تمہیں شریعتِ محمدیہ میں تردد ہے؟! اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تحقیق میں تمہارے پاس ایک صاف ستھری بے غبار شریعت لے کر آیا۔ ان یہود ونصاریٰ سے کچھ نہ پوچھو، کہیں وہ تمہیں حق بات کی خبر دیں تو تم اس کو جھٹلانے لگو، یا پھر غلط خبر دے تو تم اس کی تصدیق کرنے لگو۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری پیروی کے بغیر ان کے پاس کوئی اور راستہ نہ ہوتا۔‘‘

۵:-’’عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنہما: قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ’’ لا تسألوا أہل الکتاب عن شیء، فإنّہم لن یہدوکم، وقد ضلّوا، فإنّکم إمّا أن تصدّقوا بباطل، أو تکذّبوا بحقّ، فإنّہٗ لو کان موسٰی حیًّا بین أظہرکم،ما حلّ لہ إلّا أن یتّبعنی۔‘‘(۱۶)

’’حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب سے کچھ بھی نہ پوچھو، وہ ہرگز تمہاری راہ نمائی نہیں کریں گے، جبکہ وہ خود گمراہ ہوچکے ہیں۔ یا تو تم باطل باتوں کی تصدیق کربیٹھوگے، یا پھر حق باتوں کی تکذیب کے مرتکب ہوگے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی تمہارے درمیان زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری پیروی کے بغیر اور

کوئی طریقہ جائز نہ ہوتا۔‘‘

۶:-’’عن عبد اللّٰہ بن عبّاس رضی اللّٰہ عنھما قال: ” یا معشر المسلمین! کیف تسألون أھل الکتاب، وکتابکم الّذی أنزل علی نبیّہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم أحدث الأخبار باللّٰہ، تقرء ونہ لم یشب، وقد حدّثکم اللّٰہ أنّ أھل الکتاب بدّلوا ما کتب اللّٰہ وغیّروا بأیدیھم الکتاب، فقالوا: ھو من عند اللّٰہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا، أفلا ینھاکم ما جاء کم من العلم عن مسئلتھم، ولا واللّٰہ! ما رأینا منھم رجلاً قطّ یسألکم عن الّذی أنزل علیکم.‘‘(۱۷)

’’ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مسلمانو! تم اہل کتاب سے کیونکر پوچھتے ہو، جبکہ تمہاری وہ کتاب جو تمہارے نبی پر اُتاری گئی ہے، اللہ کے احکام پر مشتمل باعتبارِ نزول جدید ترین کتاب ہے-جس کو تم پڑھتے ہو- پرانی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بتایا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کے لکھے ہوئے کو تبدیل کردیا ہے، اور اپنے ہاتھوں سے کتابِ الٰہی میں تبدیلیاں کی ہیں، اور کہنے لگے کہ: ہمارے ہاتھ کا لکھا ہوا اللہ کی طرف سے آیا ہے، تاکہ اس پر تھوڑا سا مال لے لیں۔ کیا تمہارے پاس آنے والے علم (قرآن) نے تمہیں اہل کتاب سے پوچھنے سے منع نہیں کیا؟! بخدا ان اہل کتاب میں ہم نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا، جو تمہارے اوپر نازل ہونے والی کتاب کے بارے میں تم سے پوچھتے ہوں۔‘‘

اس حدیث شریف سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ شریعتِ محمدیہ کے آنے کے بعد اب سابقہ شریعتوں کو نہ دیکھا جائے، وہاں اس کی وجہ بھی بیان ہوئی کہ محرف ومبدل ہونے کی وجہ سے وہ اب قابل اعتبار نہیں رہیں۔ بہرحال! یہ بات ثابت ہوئی کہ شریعتِ محمدیہ اصل ہے اور دیگر شرائع اس کی تابع ہیں۔

قرآن مجید سے تیسری دلیل

’’ثمّ أورثنا الکتاب الّذین اصطفینا من عبادنا۔‘‘ (الفاطر:۳۲)

’’پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں سے۔‘‘

استدلال کا خلاصہ

اس آیتِ کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ انبیاء کی شریعتوں کے محاسن کے وارث ہیں، گویا وہ شرائع' میراث ہیں، جو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منتقل ہوئی ہیں۔ اور میراث کا اُصول یہ ہے کہ وہ مورث کی ملکیت سے وارث کی ملکیت میں منتقل ہو جاتی ہے، پھر وہ وارث ہی کی ملکیت رہتی ہے، اور وارث ہی کی طرف منسوب ہوتی ہے، مورث کی طرف نہیں، اس لحاظ سے خاتم

الانبیاء ﷺ تمام شرائع سابقہ کے وارث ہیں اور اب وہ شریعتیں آپ ﷺ کی طرف منسوب ہیں۔تو اس کی پیروی آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی اُمت پر بایں حیثیت واجب ہے کہ وہ آپ ﷺ کی شریعت ہیں، نہ کہ ان سابقہ انبیاء علیہم السلام کی شرائع۔صاحب کشف الاسرار رقم طراز ہیں:

’’أشار إلی أنّ شرائع من قبلنا إنّما تلزمنا علی أنّها شریعة لنبیّنا لا أنّها بقیت شرائع لهم، فإنّ المیراث ینتقل من المورّث إلی الوارث علی أنّه یکون ملکًا للوارث ومضافًا إلیه لا أنّه یکون ملکًا للمورّث فکذٰلک هذا۔‘‘(۱۸)

’’آیتِ کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سابقہ شریعتوں کی پیروی ہمارے اوپر اس حیثیت سے لازم ہے کہ وہ ہمارے نبی کی شریعت ہے، یہ نہیں کہ ابھی تک ان کی شریعت کی حیثیت سے باقی ہیں، اس لیے کہ میراث مورث سے وارث کی طرف اس طور پر منتقل ہوتی ہے کہ وارث کی ملک بن جاتی ہے، اور وارث کی طرف اس کی اضافت ونسبت ہو جاتی ہے، نہ یہ کہ مورث کی ملک رہتی ہے۔اس طرح یہاں بھی ہے۔‘‘

قرآن مجید کی چوتھی دلیل

الف:-’’مِلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرٰهِيْمَ‘‘(الحج:۷۸)

’’دین تمہارے باپ ابراہیم کا۔‘‘

ب:-’’قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا۔‘‘ (آل عمران:۹۵)

’’تو کہہ! سچ فرمایا اللہ نے، اب تابع ہو جاؤ دین ابراہیم کے جو ایک ہی کا ہو رہا تھا۔‘‘

استدلال کا خلاصہ

دونوں آیاتِ کریمہ صراحۃً اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ شریعتِ محمدیہ اور ملتِ ابراہیمیہ ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں، اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ کو ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ نزولِ آیت کے وقت وہ ملت ملتِ ابراہیمیہ برقرار نہیں رہی، جیسا کہ دوسرے مسلک کے ضمن میں بیان ہوا کہ ہر نبی کی شریعت کا وقت اس نبی کی وفات یا اگلے نبی کی بعثت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ پس ملتِ ابراہیمی اس اعتبار سے کہا گیا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی برحق ملت تھی اور اب بھی برحق ملت ہے، تاہم ابراہیم علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت ختم ہوئی اور اب وہ خاتم النبیین ﷺ کی ملت بن گئی۔جس طرح مالِ موروث موت سے پہلے مورِث کی ملکیت رہتا ہے، مورِث کی موت کے بعد وارث کی ملکیت میں منتقل ہو جاتا ہے۔فرماتے ہیں:

’’فثبت بهٰذین النّصّین أنّ هٰذه الشّریعة ملّة إبراهیم وقد امتنع ثبوتها ملّة لهٗ للحال لما ذکرنا فی القول الثّانی فثبت أنّها ملّتهٗ علٰی معنی أنّها کانت لهٗ فبقیت

حقًا كذلک وصارت لرسول الله محمّد – عليه السّلام – كالمال الموروث مضافاً إلى الوارث للحال وهو عين ما كان للميّت لا ملک آخر لكنّ الإضافة إلى المالک ينتهي بالموت إلى الوارث فكذٰلک الشّريعة فی حقّ الأنبياء –عليهم السّلام– ۔''(۱۹)

''ان دونوں آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ یہ شریعت ملتِ ابراہیمی ہے، جبکہ فی الحال اس شریعت کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہونا ممتنع ہے، جس کی وجہ ہم نے دوسرے قول میں ذکر کی۔ پس ثابت ہوا کہ یہ شریعت اس معنی کر ملتِ ابراہیمی ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت تھی، لیکن اب یہ اسی طرح ملتِ حقہ برقرار رہ کر اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت بن گئی، جیسا کہ مالِ موروث فی الحال وارث کی طرف منسوب ہوتا ہے، جبکہ وہ بعینہٖ وہی مال ہوتا ہے، جو میت کا تھا، نہ کہ کوئی اور ملکیت، لیکن موت کے ساتھ ہی مالک کی طرف نسبت ختم ہوکر وارث کی طرف ہوئی۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے حق میں شریعتیں ہیں۔''

حوالہ جات

۱:......المستصفی ،لأبي حامد محمد الغزالی ،متوفی: ۵۰۵، ج:۱،ص: ۱۶۵
۲:......کشف الأسرار، ج:۳،ص:۲۱۳
۳:......دیکھیے :تفسیر عثمانی ،ص: ۸۷
۴:......کشف الاسرار، ج:۳،ص: ۲۱۵
۵:......کشف الأسرار شرح أصول البزدوی، ج:۳،ص: ۲۱۵
۶:......حوالہ مذکورہ، ج:۳،ص: ۲۱۵
۷:......تفسیر القرآن العظیم لِابن کثیر الدمشقی ،متوفی: ۷۷۴ھ، ج:۶،ص: ۵۱۸
۸:......روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی للآلوسی ،متوفی: ۱۲۷۰ھ، ج:۱۱،ص: ۳۱۸
۹:......التحریر والتنویر لمحمد الطاہر بن عاشور التونسی ،متوفی: ۱۳۹۳ھ، ج:۲۲،ص: ۱۹۸
۱۰:......الصحیح للِامام مسلم بن الحجاج ،متوفی: ۲۶۱ھ، رقم: ۲۴۶
۱۱:......ایضاً، رقم: ۲۴۷
۱۲:......صحیح البخاری للِامام البخاری، باب قتل الخنزیر، رقم: ۲۲۲۲
۱۳:......سنن الترمذی للِامام محمد بن عیسی الترمذی ،متوفی: ۲۷۹ھ، باب ماجاء فی قتل عیسی ابن مریم الدجّال، رقم: ۲۲۴۴
۱۴:......المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج للنووی ،متوفی: ۶۷۶ھ، ج:۲،ص: ۱۹۰
۱۵:......المصنف لأبي بکر بن أبي شیبۃ ،متوفی: ۲۳۵ھ، باب: من کرہ النّظر فی کتب أہل الکتاب، رقم: ۲۶۴۲۱، ج:۵،ص: ۳۱۲
۱۶:......مسند الِامام أحمد بن حنبل ،متوفی: ۲۴۱ھ، رقم: ۱۴۶۳۱، ج:۲۲،ص: ۲۶۸
۱۷:......صحیح البخاری، باب لایسأل أہل الشّرک عن الشّہادۃ وغیرہا، رقم: ۲۴۸۵
۱۸:......کشف الاسرار، ج:۳،ص: ۲۱۰
۱۹:......حوالہ مذکورہ، ج:۳،ص: ۲۱۶

(جاری ہے)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

جامعہ کے دو علماء کی رحلت!

محمد اعجاز مصطفیٰ

یہ دنیا دارِ فانی ہے، جو بھی اس میں آیا ہے آخر ایک دن اس نے جانا ہے۔ گزشتہ ماہ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ میں ہماری جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دو علماء حضرت مولانا الطاف الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا عتیق اللہ صاحب بالترتیب ۳/رجب و۴/رجب کو دنیائے فانی کو چھوڑ کر خالقِ حقیقی سے جاملے۔ دونوں جامعہ کے فاضل، متقی و پرہیزگار، دونوں جامعہ میں اپنی خدمت بجالارہے تھے۔ دونوں ہی سرطان (کینسر) کی بیماری کو جھیل رہے تھے۔

حضرت مولانا الطاف الرحمٰنؒ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے بزرگ استاذ حضرت مولانا عبدالرزاق لدھیانوی دامت برکاتہم کے داماد اور جامعہ کی مجلس دعوت وتحقیق اسلامی کے شعبہ نشرواشاعت کے نگران تھے۔

حضرت مولانا عتیق اللہ صاحب بھی جامعہ کے فاضل اور جامعہ کی شاخ مدرسہ رحمانیہ سیدنا حضرت بلالؓ کالونی کے نگران اور جامع مسجد کے امام وخطیب تھے۔

دونوں حضرات کے بالترتیب چیدہ چیدہ حالات لکھے جاتے ہیں:

حضرت مولانا الطاف الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش وتعلیم

حضرت مولانا الطاف الرحمٰن صاحبؒ کی پیدائش ۱۴/اگست ۱۹۶۵ء بہاولنگر میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مقامی مدرسہ ''مدرسہ انوار الہدایہ'' بستی دین پور شریف بہاولنگر میں حاصل کی۔ مدرسہ انوار الہدایہ کی بنیاد مولانا کے جدامجد حضرت مولانا شاہ اللہ بخش بہاولنگریؒ نے رکھی تھی جو حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ اس خلعتِ خلافت کی بدولت پورا خاندان خانقاہِ رائے

پور کا پیرو کار تھا۔ حفظ کی تکمیل کے بعد مدرسہ عربیہ اسلامیہ ''بورے والا'' میں درسِ نظامی کے ابتدائی درجات پڑھے۔۱۹۸۴ء میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی آئے اور یہ تعلیمی سفر ۱۹۹۰ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

جامعہ میں تقرر اور دیگر دینی خدمات

جامعہ بنوری ٹاؤن کے شعبہ مجلسِ دعوت وتحقیقِ اسلامی میں تقرر ہوا اور وفات تک اس شعبہ سے وابستہ رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۲ء جامع مسجد قباء گلشن اقبال میں، اس کے بعد جامع مسجد عمر فاروقؓ گلشن اقبال بلاک: ۱۱ میں ۲۰۰۶ء تک امامت وخطابت کی ذمہ داری ادا کی، پھر ۲۰۰۶ء ہی میں جامع مسجد فضل کریم دہلی کالونی میں صرف ایک سال کے لیے جمعہ کی خطابت فرمائی۔ پھر جامعہ بنوری ٹاؤن کی شاخ مدرسہ اصحابِ صفہؓ جامع مسجد مدینہ، گلبرگ بلاک نمبر: ۱۷ میں امامت وخطابت کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۲۰۰۸ء سے لے کر ۲۰۱۲ء یا ۲۰۱۳ء تک اس مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ مزاج میں تواضع، سادگی اور عاجزی تھی۔ وضع قطع سادہ لیکن صلحاء کی طرح تھی۔

خاندانی پیشہ زراعت تھا۔ مولانا الطاف الرحمٰن رحمہ اللہ کے والد صاحب مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ (حضرت سید شاہ نفیس الحسینیؒ کے خلیفہ مجاز) زراعت کے پیشہ سے وابستہ تھے۔ آج کل چھوٹے بھائی جناب قاری اشفاق الرحمٰن صاحب یہ کام سرانجام دے رہے ہیں۔

اولاد و پسماندگان

حضرت مولانا عبدالرزاق لدھیانوی صاحب دامت برکاتہم کی صاحبزادی سے رشتہ حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے رائے ومشورے ومعرفت سے ہوا تھا۔ ۲۸ رمئی ۱۹۹۲ء میں حضرت مولانا مصباح اللہ شاہ صاحبؒ نے بعد نمازِ عصر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں نکاح پڑھایا۔ پسماندگان میں بیوہ، دو صاحبزادے: محمد احمد اور احمد الرحمٰن اور دو صاحبزادیاں ہیں۔

مرض وعلالت، انتقال پُرملال

۲۸ ر دسمبر ۲۰۱۷ء کو طبیعت خراب ہونا شروع ہوئی، تشخیص کے بعد معدے اور جگر کا سرطان وکینسر سامنے آیا جو ایک لاعلاج مرض بن چکا تھا۔ اسی مرض میں انتقال پُرملال ۳ ر رجب المرجب ۱۴۳۹ھ، ۲۱ ر مارچ ۲۰۱۸ء بروز منگل اور بدھ کی درمیانی شب ۱۵:۱۰ منٹ پر ہوا۔ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب زیدمجدہم نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق ڈالمیا کے قبرستان میں آسودۂ خاک کیے گئے۔

حضرت مولانا قاری عتیق اللہ رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش وتعلیم

حضرت مولانا قاری عتیق اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۶۸ء کو ضلع تورغر کے پسماندہ علاقہ شوائی ہرنیل میں پیدا ہوئے۔ نورانی قاعدہ، ناظرہ اور حفظ قرآن کی تعلیم لی مارکیٹ کراچی میں حاصل کی۔ تجوید سابق ممبر قومی اسمبلی قاری عبدالباعث صدیقی سے پڑھی۔ درجہ اولیٰ مدرسہ رحمانیہ لی مارکیٹ میں پڑھا اور درجہ ثانیہ سے دورہ حدیث تک جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تعلیم حاصل کی۔ سن فراغت ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء ہے۔

مدرسہ رحمانیہ بلال کالونی (شاخِ جامعہ) کی ذمہ داری

فراغت کے بعد ایک سال گاؤں میں رہے، کراچی آمد ۱۴۱۰ ہجری میں ہوئی۔ جامعہ کے سابق مہتمم امامِ اہل سنت حضرت مفتی احمد الرحمٰن نور اللہ مرقدہٗ کے منظورِ نظر ٹھہرے۔ یکم رجب ۱۴۱۰ھ سے جامعہ کی شاخ مدرسہ رحمانیہ کی ذمہ داری کندھوں پر آئی۔ صرف ایک مسجد سے کام کا آغاز کیا اور آج درجہ سادسہ تک وہاں تعلیم ہوتی ہے۔ شاخوں میں سب سے زیادہ طلبہ وطالبات کی تعداد اس شاخ میں ہے۔ ابتداء میں آزمائش اور مشقت زیادہ تھی، رفتہ رفتہ حالات سازگار ہوتے رہے۔ تقریباً تیس سال جامعہ کی خدمت کی۔ دورانِ علالت فرمایا کہ: اگر میں دنیا سے چلا جاؤں تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے جب ملاقات ہوگی تو کہوں گا کہ مفتی احمد الرحمٰن نور اللہ مرقدہٗ نے جہاں بھیجا تھا، مرتے دم تک وفا کی اور جو امانت حوالہ کی تھی، اس میں خیانت نہیں کی۔

زندگی میں تین حج کیے اور اس سال بھی حج کا داخلہ بھیجا تھا۔ کئی سالوں سے ہر سال عمرہ کی توفیق ملی اور ہر وقت فرماتے کہ حضرت بنوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ: میں ہر سال حج پر اس لیے نہیں جاتا کہ تعداد بڑھ جائے، بلکہ روحانی پٹرول بھروانے جاتا ہوں۔ اساتذہ سے گہری محبت وعقیدت تھی اور اساتذہ کے تذکرے پر رو پڑتے۔ سب سے زیادہ محبت حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ (اگرچہ استاذ نہ تھے) اور مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے تھی جو اس ساری ترقی، کامیابی اور عزت وشہرت کا سبب تھے۔

اولاد وپسماندگان

۲۰۰۱ء میں حضرت کی پہلی اہلیہ کا انتقال ہوا تو دوسری شادی کی، دونوں شادیوں سے پسماندگان میں چھ بیٹے اور آٹھ بیٹیاں ہیں۔ اولاد میں سے دس حفاظ ہیں، الحمد للہ! دو بیٹے مولانا سلام اللہ عتیق صاحب اور مولانا ولی اللہ عتیق جامعہ کے فاضل اور ایک بیٹی بھی جامعہ کی فاضلہ ہیں۔ بڑے صاحبزادے کو جامعہ کی طرف سے حضرتؒ کی جگہ مدرسہ رحمانیہ کے امام وخطیب کی ذمہ داری سپرد کر دی گئی ہے۔

مرض وعلالت، انتقال پرملال

اس سال عمرہ سے واپسی پر جگر کی طرف درد اُٹھا، معائنہ اور ٹیسٹ کیے تو ۱۰ر جمادی الاولیٰ کو سرطان کی تشخیص ہوئی جو خون میں سرایت کر چکا تھا اور علاج ناممکن تھا۔ کافی علاج کرایا مگر بے سود۔ میمن ہسپتال میں داخل کرایا، کمزوری بہت زیادہ تھی۔ بالآخر ۴ر رجب ۱۴۳۹ھ، ۲۲ر مارچ ۲۰۱۸ء کو رات ۴ بج کر ۲۸ منٹ پر جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ حضرت قاری صاحب انتقال والے دن سارا دن لفظ اللہ اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے رہے۔ نمازِ جنازہ جامعہ میں حضرت ڈاکٹر مولانا عبدالرزاق اسکندر مدظلہٗ نے پڑھائی۔ تدفین شرافی گوٹھ پیرمندا قبرستان میں ہوئی، جہاں وہ اپنی والدہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے دونوں ساتھیوں کی حسنات کو قبول فرمائے اور ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

ادارہ بینات باتوفیق قارئین سے ان دونوں حضرات کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست کرتا ہے۔

حضرت مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ صاحب مدظلہٗ کو صدمہ

ایصالِ ثواب کی درخواست

ماہنامہ بینات کے مدیر معاون اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے امیر حضرت مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ صاحب مدظلہٗ کی والدہ محترمہ ۲۵ر رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۲ر اپریل ۲۰۱۸ء بروز جمعرات کولو دھراں شہر میں انتقال کر گئیں۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ماأخذ ولہٗ ماأعطی وکل شیء عندہٗ بأجل مسمّٰی، اللّٰھم اغفر لھا وارحمھا وعافھا واعف عنھا وأکرم نزلھا ووسع مدخلھا وأدخلھا جناتک جنات النعیم یا رب العالمین! وألھم ذویہ الصبر والسلوان۔

ماہنامہ ''بینات'' کے باتوفیق قارئین سے مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت ورفعِ درجات اور ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

آہ میرے دوست!

مولانا الطاف الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

مفتی عبدالستار
رفیق شعبہ مجلسِ دعوت وتحقیق اسلامی، جامعہ بنوری ٹاؤن

میرے دوست، میرے رفیق حضرت مولانا محمد الطاف الرحمٰن صاحب بہاولنگری رب تعالیٰ کے خاص بندوں (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی صف میں شامل ہوگئے۔ **إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ماأخذ ولہٗ ما أعطٰی وکل شيء عندہٗ بأجل مسمی**۔ لہلہاتے گلشنِ بنوری کا ایک پھول اور ٹوٹ گیا۔ مولانا مرحوم جامعہ مادرِ علمی سے اپنی فراغت ۱۹۹۰ء سے ہی جامعہ کے ایک اہم شعبہ (مجلسِ دعوت وتحقیقِ اسلامی) کے نگران وناظم مقرر ہوئے اور جامعہ میں اپنی خدمت ونظامت کے ۲۷/سال پورے کرتے ہوئے تادم اخیر اسی منصب پر فائز رہے۔ خدامِ گلشن بنوریؒ میں اپنا نام لکھواتے ہوئے آخر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

مولانا مرحوم کا حافظہ ماشاء اللہ! بہت اچھا تھا، مولانا کو اردو، عربی، فارسی اشعار پر عبور حاصل تھا اور بہت سا مواد زبانی یاد تھا، دورانِ گفتگو موقع بموقع اشعار سنا کر اہلِ مجلس کو محظوظ فرماتے جو اب اہلِ مجلس کو ہمیشہ یاد رہے گا۔ دیوانِ حماسہ ودیوانِ متنبّی کے ترتیب سے کئی کئی اشعار بغیر کسی رکاوٹ کے پڑھ جاتے اور بسا اوقات علامہ محمد اقبالؒ کی پوری پوری نظم بڑے والہانہ انداز سے سنا دیتے۔ مولانا سخن گوئی وبذلہ سنجی میں اپنی مثال آپ تھے۔ مولانا ایک اچھے تاریخ داں اور عالمی حالات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ایک کتاب بنام ''نظام کائنات، غزوۂ ہند اور وجودِ پاکستان'' (تحقیق وترتیب: محترمہ ارم اختر صدیقی صاحبہ) (ضخامت تقریباً ۲۰۰۰ صفحات) میں مضامین کی تیاری، جمع وترتیب میں شامل رہے اور ایک مختصر مگر پرمغز مضمون کتاب کے تعارف میں (آئینۂ کتاب نما) کے نام سے لکھ کر پوری کتاب کی ضخامت کو اپنے مختصر مضمون میں سمو کر (دریا بکوزہ) کا مصداق بنا دیا۔ مولانا حافظِ قرآن بھی

بہت اچھے تھے۔ برسہا برس ظہر ومغرب کے نوافل میں منزل پڑھنے کا معمول رہا اور چلتے پھرتے بھی منزل پڑھتے رہتے تھے۔ آخر تک تراویح میں قرآن کریم سنانے کا معمول رہا، مجھے بعض اوقات کسی آیت کا حوالہ پیش کرنا ہوتا تو میں ان کے سامنے آیت کا مفہوم رکھتا تو وہ مکمل آیت، پارہ، سورت کے حوالے کے ساتھ نکال کر سامنے رکھ دیتے۔

مولانا بلا شک وشبہ ذاکر وشاغل آدمی تھے، ہر وقت زبان پر ذکر اور تسبیح ہاتھ میں معمول تھا۔ ''أَلَابِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' کا چلتا پھرتا مصداق تھے، کیوں نہ ہوتے؟ آخر خانقاہِ دین پور شریف بہاولنگر کے چشم و چراغ تھے۔ حضرت مولانا اللہ بخش بہاولنگری (خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری اولؒ) کے پڑپوتے اور حضرت مولانا محمد یحییٰ بہاولنگریؒ (خلیفہ مجاز قطب عالم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری ثانیؒ وحضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری ثالثؒ) کے بھتیجے اور حقیقی معنوں میں اُن کے جانشین تھے۔ مولانا کا کس خوشی کے ساتھ ان کے آباءواجداد نے والہانہ استقبال کیا ہوگا اور اللہ رب العزت کے فرمان ''فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ'' کی مبارکباد دی ہوگی۔

مولانا ایک انتہائی عاجز ومنکسر المزاج آدمی تھے۔ ہر چھوٹے بڑے سے انتہائی عاجزی کے ساتھ ملتے تھے۔ ہر ایک نو وارد سے اس طرح ملتے جیسے کہ اس سے برسوں کی شناسائی ہو۔ بعض اوقات ہم بھی حیرت زدہ رہ جاتے، بڑے سخی دل بھی تھے، باوجودیکہ صاحب گنجائش نہ تھے، بلکہ اکثر مقروض رہتے تھے، مگر پھر بھی ہر آنے والے کو خواہ اس سے پہلی ملاقات ہی کیوں نہ ہو' چائے ولوازمات سے مہمانی کرتے۔ ہر ملنے والا ضرور اس کی گواہی دے گا اور اپنے مخصوص انداز میں مجلس کے خادم بھائی تاج مرین کو پکارتے: ''أنفق یا تاج!'' اور ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھتے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا: ''أنفق یا بلال! ولاتخش من ذی العرش إقلالا'' اور ساتھ ہی پیسے نکال کر چائے وغیرہ کا بندوبست کرنے کا کہتے۔ بعض اوقات خود کے پاس پیسے نہ ہوتے تو مجھ سے یا کسی دوسرے ساتھی سے پیسے قرض لے کر بندوبست کرتے، بعد میں میں بعض اوقات اس قسم کے زائد خرچ پر بات کرتا تو مجھے بھی یہی حدیث شریف سنا کر خاموش کرا دیتے۔ بہرحال مولانا بہت ساری صفات کے مالک تھے، مگر اپنے آپ کو چھپاتے پھرتے۔ میں نے بارہا خانقاہی تذکرے پر مولانا کو یہاں کراچی میں خانقاہی سلسلۂ وعظ ونصیحت، مجلسِ ذکر وغیرہ شروع کرانے کا کہا تو جواب دیا کہ: ہمارے بزرگوں کی گدی وخانقاہ ہمارے تایازاد بھائیوں کے پاس ہے، اور خاموش ہو جاتے۔

مولانا انتہائی رقیق القلب بھی تھے، اکثر تلاوتِ قرآن، احادیث کے مطالعہ، صحابہ کرامؓ اور سلفِ صالحین وبزرگانِ دین کے واقعات پڑھتے ہوئے بار بار سسکیاں لینے لگتے، کبھی کبھی ہماری موجودگی کے احساس کے باوجود بلند آواز سے رو پڑتے۔ درحقیقت ''إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ '' اور ''تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ'' اللہ تعالیٰ کی بشارت کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

مولانا یکے بعد دیگرے دومسجدوں میں امام وخطیب مقرر ہوئے، مگر اپنی عالی صفت حق گوئی وبے باکی آڑے آئی اور وہاں سے رخصت کردیئے گئے۔ شروع میں جوانی کے ایام بلاک: ۱۱ گلشن اقبال کی مسجد عمر فاروقؓ میں گزارے، جبکہ مسجد کچی اور چاروں طرف جنگل ہوا کرتا تھا، وہاں کس مجاہدے کے ساتھ وقت گزارا، وہ ایک الگ باب ہے۔ بعد میں ایف بی ایریا بلاک: ۱۷ کی مدینہ مسجد جو اس وقت جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی شاخ بھی تھی، میں کچھ عرصہ امام وخطیب رہے۔ آخر میں مولانا بڑی جان لیوا موذی بیماری کینسر میں مبتلاء ہوگئے، مگر اس دوران بھی اللہ رب العزت کی رحمتِ واسعہ کا مظہر رہے کہ اس موذی بیماری میں مبتلاء مریض جن جن سختیوں پریشانیوں اور تکالیف میں مزید مبتلاء ہوجاتے ہیں اور ساتھ ہی دیگر کئی قسم کے امراض بھی آکر گھیر لیتے ہیں کہ آخر ایڑیاں رگڑنے تک کی نوبت آجاتی ہے اور بے چارے لواحقین موت کی دعائیں مانگتے ہیں مگر موت نہیں آتی، مگر یہاں مولانا کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوا، کوئی آپریشن، کوئی چیرا نہیں لگا، بہت اچھی حالت میں اللہ رب العزت نے چلتے ہاتھ پاؤں اپنی بارگاہ میں حاضری نصیب فرمائی کہ گھر والوں سے بھی کوئی قابلِ ذکر خدمت نہیں کروائی کہ یہ بھی اللہ والوں کی نشانی ہے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو سورۃ الطّور کی آیت ''وَالَّذِيْنَ أٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ۔'' (آیت:۲۱) کے مصداق ان کے آباء واجداد کے ساتھ اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آمین! اور ''أُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ'' کے تحت مولانا کے تمام سیئات سے درگزر فرمائے اور سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے، آمین! اور اللہ تعالیٰ ان کے جملہ لواحقین وپسماندگان کو صبرِ جمیل واجرِ عظیم عطا فرمائے، آمین! اور مولانا کے صاحبزادگان کو انہی کے آباء واجداد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دینِ اسلام اور علم وعمل پر ثابت قدمی عطا فرمائے، آمین!

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

تجدیدِ بیعت کی اہمیت و مدت!

ادارہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

اگر کسی شخص کے شیخ کا انتقال ہوجائے تو بیعت باقی رہتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں رہتی تو یہ کہہ کر لوگوں کو روکنا کہ بیعت باقی ہے، کیسا ہے؟ اگر بیعت باقی نہیں رہتی تو تجدیدِ بیعت ضروری ہے یا نہیں؟ اگر تجدیدِ بیعت ضروری ہے تو شیخ کے انتقال کے کتنے عرصے بعد تجدیدِ بیعت کرنی چاہیے؟

مستفتی: محمد عبداللہ کراچی

الجواب حامدًا ومصلیًا

واضح رہے کہ راہِ سلوک کی تمام جدوجہد، مجاہدات وریاضات کا اصل مقصود صفتِ احسان کا حصول، باطنی رذائل کا تزکیہ اور حق جل مجدہٗ کے ساتھ ربط وتعلق میں روز افزوں اضافہ اور ترقی ہے۔ بیعت اس سلسلے کا ایک اہم ذریعہ ہے، جس کی اجمالی حقیقت یہ ہے کہ بیعت' شیخ اور مرید کے درمیان تین اجزاء پر مشتمل ایک عہد ہے:

۱:......مرید کا اپنے گزشتہ تمام گناہوں سے توبہ کرنا۔

۲:......شیخ کی اتباع کا عہد کرنا۔

۳:......شیخ کا مرید کی تربیت کا وعدہ کرنا۔

قرآن وحدیث میں جیسے ۱:-ایمان پر بیعت، ۲:-ہجرت کے لیے بیعت، ۳:-جہاد پر بیعت، اور ۴:-خلافت پر بیعت کا ثبوت ملتا ہے، وہیں ۵:-شرعی احکام کے التزام (پابندی) پر بیعت

کا ثبوت بھی موجود ہے، جو کہ صوفیاء کی اصطلاح میں ''بیعتِ طریقت'' سے معروف ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

''یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِذَا جَاءَکَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَکَ عَلَی أَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰهِ شَیْئاً وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَأْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ أَیْدِیْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔'' (الممتحنۃ:۱۲)

صحیح بخاری میں ہے:

''عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال: دعانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبایعناه، فقال فیما أخذ علینا: أن بایعنا علی السمع والطاعة فی منشطنا ومکرهنا وعسرنا ویسرنا وأثرة علینا وألاننازع الأمر أهلهٗ إلا أن تروا کفرا بواحاعندکم من اللّٰه فیه برهان۔''

(کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: سترون بعدی اموراً تنکرونہا، ج:۲،ص:۱۰۴۵، ط: قدیمی)

اسی بنا پر سلف وخلف سے ''بیعتِ طریقت'' کا معمول معروف ومتداول چلا آ رہا ہے، اس میں مرید کی حیثیت مریض کی اور شیخ کا مقام طبیب ومعالج کا ہوتا ہے، لہٰذا!

۱:...... اگر مرید کسی شیخ کے ہاں فائدہ محسوس نہ کرے یا شیخ کا انتقال ہوجائے تو کسی دوسرے متبعِ سنت شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرے اور بہتر ہے کہ اسی سلسلے کے کسی دوسرے شیخ سے بیعت کا تعلق جوڑے۔ سابقہ بیعت اب شیخ کے انتقال کے بعد ختم ہوگئی، اب لوگوں کو یہ کہہ کر تجدیدِ بیعت سے روکنا کہ بیعت باقی ہے، درست نہیں ہے۔ ہمارے اکابر ومشائخ کا یہی عمل چلا آ رہا ہے کہ ایک شیخ کے انتقال کے بعد کسی دوسرے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرلیا کرتے تھے، نیز بیعت کا مقصود بھی اصلاح ہے جو تجدیدِ بیعت کی صورت میں ہی حاصل ہوسکتا ہے، لہٰذا مذکورہ لوگوں کا یہ عمل درست نہیں۔

۲:...... سابقہ تفصیل سے واضح ہوا کہ بیعت کرنا اگرچہ فرض یا واجب نہیں، لیکن راہِ سلوک کی منازل بآسانی طے ہونے کا ایک اہم ذریعہ اور ضروری تدبیر کے درجہ میں ہے، نیز یہ قرآن وحدیث سے بھی ثابت ہے۔

۳:...... شیخ کے انتقال کے بعد تجدیدِ بیعت کے لیے کوئی مخصوص مدت نہیں، بلکہ فوراً بعد بھی تجدید کرسکتا ہے۔ القول الجمیل میں ہے:

''واستفاض عن رسول اللّٰه -صلی اللّٰه علیه وسلم- أن الناس کانوا یبایعونهٗ تارة علی الهجرة والجهاد، وتارة علی إقامة أرکان الإسلام، وتارة علی الثبات والقرار

فی معرکة الکفار، وتارة علی التمسک بالسنة والاجتناب عن البدعة والحرص علی الطاعات، کما صح أنه -صلی اللّٰه علیه وسلم- بایع نسوة من الأنصار علی أن لاینحن۔'' (القول الجمیل للشاہ ولی اللہؒ المطبوع مع شرحہ شفاء العلیل، ص:۸، ط: مطبع قیومی، کانپور)

أیضاً: ''فاعلم أن البیعة سنة، ولیست بواجبة۔'' (ایضاً، ص:۱۲)

أیضاً: ''فاعلم أن تکرار البیعة من رسول اللّٰه -صلی اللّٰه علیه وسلم- مأثور، وکذٰلک عن الصوفیة، أما من الشیخین فإن کان بظهور خلل فیمن بایعهٗ فلابأس، وکذٰلک بعد موته أو غیبته المنقطعة۔'' (ایضاً، ص:۱۹-۲۰)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد عبدالمجید دین پوری	محمد انعام الحق	محمد عبدالقادر	محمد یاسر عبداللہ
الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	تخصصِ فقہِ اسلامی
محمد شفیق عارف	صالح محمد کاروڑی	تقی الدین	جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نَقدُ و نَظَر

ادارہ

دُررِفرائدترجمہ وشرح جمع الفوائد

مترجم: حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ۔ باہتمام ونگرانی: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی۔صفحات: ۲۸۸۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، نوشہرہ۔

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی نوراللہ مرقدہٗ ان شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے اپنے زمانہ میں علمی، دینی، دعوتی، تبلیغی اور تعلیمی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے احادیث کے ساتھ ان کو خاص شغف عطا فرمایا تھا، جس کی بناپر انہوں نے علامہ محمد بن محمد سلمان دوانیؒ (متوفی: ۱۰۹۴ھ) کی تالیف ’’جمع الفوائد‘‘ جو چودہ کتبِ احادیث پر مشتمل ہے کی شرح اور ترجمہ کیا ہے۔

زیرِتبصرہ کتاب میں درج ذیل مضامین ہیں: ۱:-فتنوں کا بیان، ان سے ڈرانا اور نفرت دلانا۔۲:- چند نامزد فتنے۔۳:-معرکے اور قیامت کے شرائط اور ظہورِ مہدی۔۴:- قیامت اور اس کے حالات مثلاً: حشر، حساب، حوضِ کوثر، پل صراط، میزان اور شفاعت۔۵:- جنت اور دوزخ کا بیان اور ان میں کیا کیا ہے۔۶:- دارالخلد میں اللہ تعالیٰ کا دیدار۔ بہرحال یہ کتاب علمی میدان میں کام کرنے والوں اور آخرت کو سنوارنے والوں کے لیے ایک علمی دستاویز ہے۔

ڈیجیٹل تصویر کی حرمت علمائے اُمت کی نظر میں

حضرت مولانا قاری ابوالحسن فضل کریم صاحب۔صفحات: ۲۱۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: شعبہ نشر واشاعت دارالعلوم محمودیہ ٹوپی، ضلع صوابی۔

اُمتِ مسلمہ دوسرے فتنوں کے علاوہ آج تصویر سازی کے فتنہ میں بہت زیادہ مبتلا ہے۔ عوام الناس سے ہٹ کر دین دار کہلانے والے حضرات کی تقریبات چاہے وہ قرآن کریم کی کوئی نشست ہو یا ختم بخاری کی تقریب، ذکر وفکر کی کوئی مجلس ہو یا وعظ ونصیحت کا کوئی پروگرام، ہر جگہ موبائل یا کیمروں کے ذریعہ تصویر کشی کی نحوست سامنے ہوتی ہے۔ حد یہ ہے کہ آج اس گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔

زیرِتبصرہ کتاب کے مصنف کو اللہ تبارک وتعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے ''ڈیجیٹل تصویر کی حرمت'' پر علمائے اُمت کے فتاویٰ پر مشتمل یہ کتاب مرتب کی ہے۔ یہ کتاب درج ذیل چار ابواب پر مشتمل ہے: باب:۱- تصویر اور عکس کی تعریف، ان کے درمیان فرق پر بحث۔ باب:۲- ڈیجیٹل تصویر عین تصویر کے حکم میں ہے اور عین تصویر کی طرح حرام ہے۔ باب:۳- کسی دینی مصلحت کے لیے کسی معصیت کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں۔ باب:۴- تصویر اور تصویر کش کے عذاب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات۔ پاکستان بھر کے دارالافتاؤں کے فتاویٰ جات سے اس کتاب کو مزین کیا گیا ہے۔ کتاب کا کاغذ، طباعت اور جلد بندی عمدہ ہے۔ امید ہے اہلِ علم اور باذوق حضرات اس کتاب کی قدر افزائی فرمائیں گے۔

فتح المنان فی حکم البیع إذا ظهر فیه الزیادة والنقصان
(یعنی مبیع میں کمی یا زیادتی ظاہر ہونے کا تحقیقی مطالعہ)

مولانا عبیدالرحمٰن صاحب۔ صفحات: ۸۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مرکز البحوث الاسلامیہ، مردان۔ ملنے کا پتہ: دارالافتاء دارالعلوم رحمانیہ، جامع مسجد فردوس خان ہوتی، مردان۔

اس رسالہ کا ٹائٹل پر تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

''کتاب البیوع کا معرکۃ الآراء مسئلہ ''اصل ووصف'' کی وضاحت، اصول وضوابط، اس مسئلہ سے متعلق فقہائے احناف کی عبارات کی تشریح، ممکنہ اشکالات کا تجزیہ، عصرِ حاضر میں اس کی تطبیق وتحقیق۔''

دارالافتاء کے محقق حضرات اور علمائے کرام کے لیے ایک علمی اضافہ ہے۔ کاغذ، ٹائٹل اور طباعت اعلیٰ معیار پر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے مؤلف کو اس تحریر پر جزائے خیر عطا فرمائے۔

تأثرات مفتی اعظم

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہٗ۔ مرتب: محمد عدنان مرزا۔ صفحات: ۳۲۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبۃ الایمان، کراچی

زیرِتبصرہ کتاب میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی قدس سرہٗ کے قلم سے متعدد کتب پر تحریر کی گئی گراں قدر آراء، تقاریظ، مقدمے اور تبصرے شامل کیے گئے ہیں، جن کے پڑھنے سے قاری کو جہاں بہت ساری کتب کی سیر ہوجاتی ہے، وہاں حضرت کے قلم سے اس پر تقریظ، رائے یا تبصرہ سونے پر سہاگہ کا کام دیتا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی یہ تحریریں بہت ساری علمی معلومات کے ساتھ ساتھ بہت سارے فوائد پر بھی مشتمل ہیں، مثلاً: ''المنجد'' (عربی سے اردو لغت) پر مقدمہ ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں ۵۷ کتابوں پر آراء، تقاریظ اور تبصرے آگئے ہیں۔ یہ کتاب اہلِ علم کے لیے ایک مستند دستاویز اور علمی سرمایہ ہے۔ کتاب کا کاغذ اعلیٰ ہے اور طباعت بھی معیاری ہے۔

درسِ شعب الایمان (مکمل چار جلدیں)

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ۔ ضبط وتحریر: محمد عدنان مرزا۔ صفحات جلد اول: ۲۶۴۔ جلد دوم: ۲۴۰۔ جلد سوم: ۲۴۰۔ جلد چہارم: ۲۴۰۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ سے مختلف علمی میدانوں میں کام لیا ہے، جن میں سے آپ کے بیانات کا مجموعہ ''اصلاحی بیانات'' کے عنوان سے قبولِ عام کی سند پا چکا ہے۔ اصلاحی بیانات کا یہ نیا سلسلہ ''درسِ شعب الایمان'' کے عنوان سے جناب محمد عدنان مرزا کے ضبطِ تحریر سے شروع ہو چکا ہے، جس کی اب تک چار جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ جلد اول کے عنوانات یہ ہیں:

۱:- ذکر اللہ گناہ سے بچاتا ہے، ۲:- ذکر میں شیطانی مکر وفریب، ۳:- دل سے زنگ ہٹانے کا طریقہ، ۴:- چند الوداعی نصیحتیں، ۵:- ہر وقت کرنے کا عمل، ۶:- سوئم کلمہ کی تشریح۔

جلد دوم کے عنوانات یہ ہیں: ۱:- اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات، ۲:- اللہ تعالیٰ سے محبت کے اسباب، ۳:- اللہ تعالیٰ ک کے ناراض ہونے کا ڈر، ۴:- محبت بڑھانے کا طریقہ، ۵:- فرائض اور نوافل کا اہتمام، ۶:- اہل محبت کی صحبت میں بیٹھیں، ۷:- مخلوق سے محبت کی اہمیت، ۸:- اللہ والوں سے محبت کرو۔

جلد سوم کے عنوانات یہ ہیں: ۱:- ہر مشکل کا حل استغفار ہے، ۲:- امانت کی چند قسمیں، ۳:- وعدہ خلافی سے بچیں، ۴:- ہر نعمت پر شکر ادا کرو، ۵:- مصیبت میں نعمتوں کو یاد رکھیں، ۶:- معاف کرنے کی فضیلت، ۷:- مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھنے کی دعا، ۸:- غم بھی نعمت ہے۔

جلد چہارم کے عنوانات یہ ہیں: ۱:- اللہ تعالیٰ کی ڈھیل سے ڈرو، ۲:- عمل کے اوپر ناز نہ کریں، ۳:- اللہ تعالیٰ کی چار عظیم نعمتیں، ۴:- مومن زندگی کیسے گزارتا ہے، ۵:- سکونِ دل کا قرآنی نسخہ، ۶:- زبان کو قابو میں کریں، ۷:- جھوٹ بولنے سے بچیں، ۸:- تعریف کرنے اور سننے کے احکام

کتاب کا کاغذ، ٹائٹل، طباعت اور جلد بندی ہر ایک اعلیٰ معیار پر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مفتی صاحب کو صحت وعافیت کے ساتھ لمبی عمر نصیب فرمائے اور اس کتاب کے لیے جن جن حضرات نے محنت، کوشش اور جد وجہد کی ہے، ان کو جزائے خیر دے اور قارئین کے لیے اس کو نافع بنائے۔ آمین

معجم علوم الحديث النبوی

مولانا امداد اللہ انور صاحب (استاذ الحدیث والتفسیر جامعہ قاسم العلوم ملتان)۔ صفحات: ۱۰۴۸۔ سائز: ۲۰×۳۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: حافظ محمد ابوبکر، دار المعارف، ملتان۔

زیرِ تبصرہ کتاب ''معجم علوم الحديث النبوی'' ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن ابراہیم الخمیسی، استاذ

الحدیث والمساعد بکلیۃ التربیۃ جامعہ صنعا یمن کی عربی تالیف کا ترجمہ ہے۔

اس کتاب میں علومِ حدیث اور اصطلاحاتِ حدیث سے متعلقہ عبارات، عنوانات اور الفاظ بڑی آسانی سے حروفِ تہجی کی ترتیب سے مرتب ہیں اور اُردو میں ان کی جاندار وضاحت اور دل نشین پیرائے میں تشریح کی گئی ہے۔ اصل کتاب ۲۵۰ صفحات پر مشتمل تھی، جس میں ۹۷۷ الفاظ اور اصطلاحات سے متعلق کلام کیا گیا تھا، لیکن اس کتاب میں ۲۲۴۶ عنوانات پر کام کیا گیا اور ۱۴۰۰ سے زائد علوم پر کلام کیا گیا ہے۔ کتاب کی تیاری میں ۵۰۰ سے زائد کتب کی ورق گردانی کی گئی ہے۔

مصنف نے اس کتاب میں درج ذیل کام کیا ہے: ۱:- اس فن کی تمام مباحث اور تعریفات کا استیعاب۔ ۲:- موقع ومحل کے مناسب کہیں تطویل اور کہیں اختصار۔ ۳:- قرآنی آیات کا حوالہ اور احادیث کی حتی المقدور تخریج۔ ۴:- اقوال کی نسبت ان کے قائلین کی طرف اور مباحث کی نسبت ان کے مصادر کی طرف۔ ۵:- اصطلاحات اور علوم حدیث میں علمائے احناف کی تحقیقات کو حسب موقع شامل کیا گیا ہے۔ ۶:- کتاب میں تمام مضامین اور مباحث عربی کتب سے ماخوذ ہیں۔ ۷:- جو مضامین ڈاکٹر عبدالرحمٰن الخمیسی کی کتاب ’’**المعجم فی علوم الحدیث النبوی**‘‘ سے لیے گئے ہیں، ان کے عنوانات کے شروع میں بطورِ علامت کے ڈیش (-) کا نشان دیا گیا ہے اور ان میں بہت سے اضافے مؤلف کی طرف سے ہیں۔ ۹:- علوم الحدیث اور مصطلح الحدیث کی کتب کا تذکرہ اختصار کے پیشِ نظر اُن کے مخصوص عنوانات میں یا کتاب کے آخر میں مصادر ومراجع کے تحت کیا گیا ہے۔ مستقل عنوان کے تحت جمع نہیں کیا گیا۔ ۱۰:- فہرست میں اکثر جگہ اصل اور مرکزی عنوانات کے ساتھ متعلقہ عنوانات بھی لکھ دیئے گئے ہیں، تاکہ ایک بڑے مضمون کے تحت چھوٹے چھوٹے متعلقہ مباحث کی بھی نشان دہی ہوجائے۔ ۱۱:- کتاب کے آخر میں مصادر ومراجع کی دو فہرستیں مرتب کی گئی ہیں: ایک دکتور عبدالرحمٰن کی کتاب کی ہے اور دوسری مترجم کے اضافہ کردہ مضامین کے مآخذ کی۔ ۱۲:- الفاظِ معجم کی فہرست کتاب میں مذکور ترتیب کے مطابق بنائی گئی ہے۔

کتاب کے شروع میں حضرت مولانا حافظ سید لیاقت علی شاہ نقشبندی دامت برکاتہم کا پیشِ لفظ بھی ہے، جس میں انہوں نے کتاب کی تیاری کے مراحل اور کتاب کا خوبصورت تعارف بھی کرایا ہے۔ حدیث سے شغف رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب بے بہا خزانہ اور ایک مستقل لائبریری کا کام دینے والی ہے۔ البتہ کتاب جس طرح شاندار مضامین اور اونچے فوائد پر مشتمل ہے، کتاب کا کاغذ اس معیار کا نہیں ہے اور کتابت کی غلطیاں بھی کچھ دیکھنے میں آئیں۔ امید ہے اگلے ایڈیشن میں اس کمی کو دور کردیا جائے گا۔